ناول نمبر
ابن صفی بی اے
125
Siddiqui

احمقوں کا چکّر

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۱۰

ابنِ صفی

۱۹۵۲

پیش رس

جاسوسی دنیا کا دسواں شمارہ مُلاحظہ فرمایئے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس کے محیّر العقول واقعات کو کبھی نہ بھلا سکیں گے شاید آپ ایک چیتے کو بکرے میں تبدیل ہوتے دیکھ کر اُچھل پڑیں۔ ایک آدمی کو کُتّوں سے ایک کُتّے کی طرح لڑتے دیکھ کر شاید آپ کو ہنسی آ جائے لیکن ان کے پس منظر میں کتنی ہی خوفناک حرکتیں چھپی ہوئی ہیں۔ کتنی ہی تباہ کاریاں پوشیدہ ہیں۔ کتنے ہی بھیانک اور سنگین جرائم پروان چڑھ رہے ہیں۔

اس میں آپ کو ایک ایسا بوڑھا ملے گا جس نے جوان بننے کے چکّر میں پڑ کر اپنی

بقیہ زندگی برباد کرلی۔ ایک ایسی عورت ملے گی جو اپنے جواں سال جذبات کا خون ہوتے نہ دیکھ سکی اور آخر کار اسے گناہ کی وادیوں میں قدم رکھنا پڑا اور اس جرم کو پردۂ راز میں رکھنے کے لیے اسے ایک اس سے بھی بڑا جُرم کرنا پڑا اور بپھری ہوئی جوانی کے طوفان میں سارے اخلاقی قیود خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ بظاہر وہ بڑی بھولی بھالی تھی۔ اس کے چہرے سے تقدس کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ لیکن یہ کرنیں گناہ کی تاریک راہوں کو روشن نہ کر سکیں۔ اس میں آپ کو دو خطرناک انسان ملیں گے۔ دو ڈاکٹر۔۔۔ جنہیں جاسوس احمق سمجھتے تھے لیکن فریدی کی باریک بین نگاہیں اُن کی حماقتوں کی تہہ تک پہنچ ہی گئیں۔

یہ آپ کے محبوب جاسوس فریدی اور حمید کا وہ کارنامہ ہے۔ جسے آپ عرصے تک فراموش نہ کر سکیں گے۔۔۔ اس بار حمید قہقہوں کا طوفان لے کر آپ کے سامنے آیا ہے۔

پبلشر

پکنک

صُبح کی نم اور خشک چادر فضا پر محیط تھی۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ سر سبز پتیوں پر اوس کی جھلملاتی ہوئی بوندیں لرز رہی تھیں۔ آسمان صاف تھا۔ نیلا بے کراں آسمان اور افق میں گہرے رنگوں کی چمک دار دھاریاں۔

فریدی کے پائیں باغ میں سارجنٹ حمید ایک کتاب کی مدد سے قدیم ہندو تہذیب کی مختلف ورزشوں کی مشق کر رہا تھا۔ کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر گہرے گہرے سانس لیتا اور کبھی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ پھر کتاب میں ترکیبیں دیکھ کر طرح طرح کے منہ بناتا اور پیٹ چپکانے کی مشق کرتا۔ فریدی بر آمدے میں بیٹھا شیو کر رہا

تھا۔ کبھی کبھی وہ اس کی حماقتوں کو دیکھ کر مُسکرا دیتا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن توازن قائم نہ رکھ سکنے کی بناء پر پھر گر پڑا۔ وہ اپنی گردن سہلانے لگا۔ شاید کوئی رَگ چمک گئی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرنے کی بجائے کتاب کے ورق اُلٹنے شروع کر دیئے۔ اب وہ پھر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی ٹانگیں اُٹھا کر گردن پر رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک ٹانگ تو اُس نے کسی نہ کسی طرح رکھ ہی لی لیکن دوسری ٹانگ رکھتے ہی وہ بُری طرح چیخ کر لُڑھک گیا۔ دونوں ٹانگیں گردن میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ خود چِت پڑا بُری طرح چیخ رہا تھا۔ فریدی شیو کر کے اُٹھا۔ حمید کو اس حال میں دیکھ کر چند لمحے مُسکراتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ حمید دراصل چیخ چیخ کر اُسے مدد کے لیے بُلا رہا تھا لیکن اس کی بے رُخی دیکھ کر اُسے تاؤ آ گیا اور دو تین جھلائے ہوئے جھٹکوں نے اُسے اس سے نجات دلا دی۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے ورزش کی کتاب ایک طرف رکھی۔ بندوق میں کارتوس چڑھایا اور نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ کتاب کے پرخچے اُڑ گئے۔

”کیا اودھم مچا رکھی ہے۔“ فریدی نے برآمدے میں آکر کہا۔

”آپ سے مطلب۔“ حمید نے کہا اور منہ بنائے ہوئے اندر چلا گیا۔

”آخر تمہارا بچپنا کب رُخصت ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”جب جوانی آئے گی۔“

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ جلدی کیجیے۔۔۔ وہ لوگ آرہے ہوں گے۔“

”میں کہیں نہیں جاؤں گا۔“

”کیا کہا۔۔۔!“ فریدی اسے گھور کر بولا۔ ”پھر تم نے شہناز وغیرہ سے وعدہ کیوں کر لیا تھا۔“

”کر لیا ہو گا۔“

”خیر میں تو بہرحال جاؤں گا۔ پکنک ہو کر رہے گی۔ اچھا ہے تم نہ جاؤ۔۔۔ تمہاری وجہ سے بڑی بے لطفی ہو جائے گی۔“

”جی ہاں۔۔۔ بہتر ہے۔۔۔ شہناز بھی نہ جائے گی۔“ حمید نے کہا۔

”یہ تم سے کس احمق نے کہہ دیا۔ میں اسے کھینچ کر لے جاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آج یہی دیکھنا ہے کہ وہ تمہارا کہا مانتی ہے یا میرا۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“ حمید نے کہا اور غسل خانے میں گھُس گیا۔

فریدی لباس تبدیل کر کے باورچی کو کُچھ ہدایات دینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ میں ایک کار آکر رکی۔ شہناز اور اس کی دو سہیلیاں شیلا ثریّا اور اشرف ثریّا کا بھائی کار سے اُتر کر کوٹھی میں داخل ہوئے۔

”"آیئے۔۔۔ آیئے میں انتظار ہی کر رہا تھا۔“ فریدی نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”ہمیں دیر تو نہیں ہوئی۔“ شہناز بولی۔

”آپ تو ٹھیک وقت پر پہنچیں لیکن شاید ہمیں دیر ہو جائے۔“

"کیوں۔۔۔؟" شہناز نے پوچھا۔

"حمید کا اسکریو پھر کچھ ڈھیلا ہو گیا ہے۔" فریدی نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کوئی نئی بات نہیں۔" شہناز ہنس کر بولی۔ اور اُس کی دونوں سہیلیاں اسے شرارت آمیز نظروں سے گھورنے لگیں۔

فریدی انہیں لے کر کھانے کے کمرے میں آیا جہاں بڑی میز پر ناشتہ چُنا ہوا تھا۔

"ارے اس کی کیوں تکلیف کی۔" اشرف نے کہا۔

"تکلیف۔۔۔ ابھی تک تو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"اور حمید صاحب۔" ثریّا بولی۔

"ابھی وہ غسل خانے ہی میں تشریف فرما ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ شروع کرتے ہیں وہ آہی جائیں گے۔"

”پھر بھی انتظار کر لینے میں کیا حرج ہے۔“ شہناز بولی۔

”تو آپ کیجیے انتظار۔۔۔ ہم لوگ تو شروع کر رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

”میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ ایسی ہی حالت میں سیدھا رہتا ہے جب اس کے ساتھ لاپروائی برتی جائے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ورنہ دوسری صورت میں تو مزاج ہی نہیں ملتے۔“

”بہر حال شہناز۔۔۔ آپ کے مشورہ پر عمل نہ کر سکیں گی۔“ ثریّا بولی۔

”خیر تو آپ زچ ہوں گی مُجھے کیا کرنا ہے۔“ فریدی نے کہا اور ناشتہ شروع کر دیا۔

وہ لوگ ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ کمپاؤنڈ میں کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی۔

”لیجیے نکل گیا ہاتھ سے۔“ فریدی نے چونک کر کہا۔ ”عجیب خبطی آدمی ہے۔ بعض اوقات مُجھے سچ مچ اس پر غصّہ آنے لگتا ہے۔“

شہناز کرسی سے اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ حمید فریدی کی کار پھاٹک کے باہر لے جا چکا تھا۔ وہ کُچھ مضمحل ہی ہو کر واپس آ گئی۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" شہناز تیوری چڑھا کر بولی۔

"اسے آدمی بنائیے۔۔۔ میں تو تھک کر ہار چکا ہوں۔" اس پر ایک قہقہہ پڑا اور شہناز جھینپ گئی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پکنک نہ ہو سکے گی۔" شیلا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"شاید شہناز نہ جائیں۔" ثریّا نے کہا۔

"کیوں۔۔۔!" شہناز ثریّا کو گھور کر تیز لہجے میں بولی۔ "میں کیوں نہ جاؤں گی۔"

"ارے بھئی۔۔۔ اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" شیلا ہنس کر بولی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے اپنی رائفل اُٹھائی اور ان لوگوں کے ہمراہ برآمدے میں آیا۔

"کیا بتاؤں کار لے کر چلا گیا۔" فریدی بولا۔

"کرنا کیا ہے۔" اشرف نے کہا۔ "کار ہے تو۔"

سب اشرف کی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

"میں شاید دو سال بعد جھریالی کی طرف جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اب تو وہاں دو ایک عمارات بھی بن گئی ہیں۔" اشرف بولا۔

"عمارتیں۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "وہ تو ایک بالکل ہی ویران مقام ہے۔"

"ٹھیک جھیل کے سامنے دو ڈاکٹروں نے اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی ہے۔ بہت بڑی اور شاندار عمارت ہے۔ اس سے تقریباً ایک میل کی دوری پر ایک کارخانہ ہے جہاں خیموں اور پھول داریوں کے لیے بانس کے ستون بنائے جاتے ہیں۔"

”تجربہ گاہ کس قسم کی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بہت ہی دلچسپ اور عجیب۔“ اشرف بولا۔”انھوں نے بے شمار وحشی درندے پال رکھے ہیں۔“

”وحشی درندے۔“ فریدی نے تعجّب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔”آپ نے تو ابھی کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔ بھلا ڈاکٹروں کا وحشی درندوں سے کیا کام۔“

”وہ ڈاکٹر بھی عجیب ہیں۔“ اشرف نے کہا۔”میں نے سُنا ہے کہ وہ کوئی بالکل نئے قسم کے تجربات کر رہے ہیں۔“

”کس سلسلے میں۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وضاحت کے ساتھ تو مُجھے معلوم نہیں۔ لیکن اتنا سنا ہے کہ وہ آدمی کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔“

”چیز بڑی دلچسپ ہے۔“ فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ ان کے سائن بورڈ ہیں۔“ اشرف ہنستا ہوا بولا۔

”ایک سائن بورڈ پر لکھا ہے بزدلوں کو شیر بنانے کا کارخانہ، خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن دوسرا سائن بورڈ تو بالکل ہی احمقانہ ہے۔ اس پر لکھا ہے یہاں ٹوٹے پھوٹے آدمیوں کی مرمّت کی جاتی ہے۔“

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

”آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔“ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

”خود چل کر دیکھ لیجیے گا۔“ اشرف نے کہا۔

”ایسے موقع پر حمید صاحب کی کمی بہت شدّت سے محسوس ہو گی۔“ ثریّا بولی۔

”مُجھے اُمّید ہے کہ اس سے جھریالی پر ضرور ملاقات ہو گی۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا کہہ کر گئے ہیں۔“ شہناز نے پوچھا۔

”کہہ کر تو نہیں گیا۔۔۔ لیکن انداز سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ مچھلیوں کے شکار کا

سامان گھر پر موجود نہیں تھا۔“

”تب تو یقیناً وہیں گئے ہیں۔ لیکن اس طرح جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”ضرورت تو وہی جانے۔۔۔ اسے دوسروں کو تنگ کرنے میں لطف آتا ہے۔ وہ محض اسی لیے کار لے کر چلا گیا کہ میں تھوڑی دیر تک جھنجھلاہٹوں کا شکار رہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”عجیب آدمی ہیں۔“ ثریّا بولی۔

”میرا ہی جگرا ہے کہ اس کے نخرے سنبھالتا ہوں۔“ فریدی شہناز کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔“

”تو یہ آپ شہناز کو کیوں سُنا رہے ہیں۔“ ثریّا ہنس کر بولی۔

شہناز نے اُسے گھور کر دیکھا اور فریدی مُسکرانے لگا۔

”میں انہیں اس لیے سُنا رہا ہوں کہ اب بھی اپنا فیصلہ بدل دیں۔“ فریدی بولا اور

شہناز جھینپ گئی۔

"اب زیادہ نہ چھیڑیے، ورنہ یہ اُس کی کسر حمید صاحب سے نکال لیں گی۔" شیلا نے کہا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لوگ جھریالی پہنچ گئے۔ یہ ایک پُر فضا مقام ہے بلکہ اگر اسے شکار گاہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ تقریباً دو میل کے رقبے میں ایک خوبصورت جھیل پھیلی ہوئی ہے جس کے چاروں طرف سرسبز جنگل ہیں جو زیادہ گھنے نہیں۔ دراصل اسی جھیل ہی کا نام جھریالی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اس کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا ہے۔ یہاں ہرن اور بارہ سنگھوں کا بہت اچھا شکار ہوتا ہے۔ کبھی کبھار وحشی درندے بھی مل جاتے ہیں جن میں تیندوا تو بہت ہی عام ہے۔ جھیل میں مچھلیوں کا اچھا خاصا شکار ہوتا ہے۔

تھوڑی دوری پر فریدی کو اس کی کار کھڑی دکھائی دی۔

"لیکن حمید کہاں گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کہیں ہوں گے۔" شہناز لاپرواہی سے بولی۔

دفعتہً قریب کی جھاڑیوں میں جنبش ہوئی۔ حمید نے سر نکال کر باہر دیکھا اور پھر اسی طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سب لوگ جھاڑیوں میں گھُس گئے۔ حمید نے مچھلی پھنسانے کی ڈوریں جگہ جگہ لگا رکھی تھیں اور ایک پتھّر سے ٹیک لگائے پائپ پی رہا تھا۔

ان لوگوں کے وہاں پہنچ جانے پر بھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"منانے والوں کو دیکھ کر لوگ روٹھا ہی کرتے ہیں۔" ثریّا ہنس کر بولی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" شیلا بولی۔

"فریدی صاحب اور شہناز جیسے قدر دانوں کی موجودگی بھلا کسے نصیب ہوگی۔"

حمید کے رویّہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہرا ہو گیا۔ دفعتہً اس نے ایک ڈور کی چرخی چلانی شروع کی اور ایک بڑی سی مچھلی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکال لیا۔

"بہت اچھے۔۔۔بہت اچھے۔" ثریّا اور شیلا تالیاں بجاتی ہوئی چیخیں۔

"اور وہ تجربہ گاہ۔" فریدی اشرف کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اُن درختوں کے پیچھے۔" اشرف نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔" فریدی نے بُلند آواز میں پوچھا۔

"ہم سب پہلے اس عجیب و غریب تجربہ گاہ کو دیکھیں گے۔" عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ضرور دیکھیے۔" حمید اچانک بولا۔ "قریب قریب آپ سبھی کافی ٹوٹے پھوٹے ہیں۔"

"تو کیا تم اسے دیکھ آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیکھنا کیسا۔۔۔ میں نے تو اپنا نام بھی رجسٹر میں درج کرا دیا ہے۔ ایک ماہ بعد

میرا نمبر آئے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"شیر بننے کا ارادہ ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"یعنی۔۔۔؟"

"دلچسپی کا مشغلہ ہاتھ آگیا دونوں پرلے سِرے کے احمق ہیں۔"

"انہیں ڈاکٹروں کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"جی ہاں۔۔۔ ایک انگلینڈ ریٹرن ہے اور دوسرا جرمنی سے ڈگری لے کر آیا ہے۔"

"خیر وہ تو سب ہے لیکن آپ وہاں سے اس طرح بھاگے کیوں؟" شہناز نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"تاکہ آپ لوگوں کے کھانے پینے کا معقول انتظام کر سکوں۔ میرے خیال سے

اب آپ اس مچھلی کو ادھیڑنا شروع کر دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"مچھلی تو بعد میں ادھیڑ لی جائے گی۔" ثریّا بولی۔ "شہناز کا خیال پہلے آپ ہی کو ادھیڑنے کا ہے۔"

حمید نے شہناز کی طرف ایسی بے بسی اور مسکینیت سے دیکھا کہ اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"آپ کا خیال غلط ہے۔" حمید نے ثریّا سے کہا۔ "آپ خواہ مخواہ لوگوں کو بہکاتی پھرتی ہیں۔"

"اچھا تو کون کون چل رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

سب کے سب تیّار ہو گئے۔

"کہاں بے کار وقت برباد کرنے جاؤ گی۔" حمید نے آہستہ سے شہناز سے کہا۔

"آپ سے مطلب۔۔۔!" شہناز نے کہا اور فریدی کے ساتھ ہو لی۔

حمید بدستور بیٹھا چرخیاں گھُماتا رہا۔

اشرف فریدی وغیرہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے گزرتے ہوئے وہ لوگ ایک عمارت کی چار دیواری کے قریب پہنچے۔ پھاٹک پر ایک نیپالی پہرے دار بیڑی پی رہا تھا۔ ان لوگوں کو پھاٹک کی طرف آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"کدھر جانا مانگتا۔" وہ بولا۔

"اندر۔۔۔ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا ٹھہرو۔۔۔ہم جا کر بولتا۔" پہرے دار نے کہا اور اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد لوٹا۔

"چلو۔۔۔!"

"فرمایئے۔۔۔میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہمیں آپ کا سائن بورڈ یہاں تک کھینچ لایا ہے۔"

”اوہ۔۔۔!“ ڈاکٹر ہنستا ہوا بولا۔ ”یہ ہندوستان ہے اگر ہم اس طرح کی حرکت نہ کریں تو کوئی ہماری طرف دھیان ہی نہ دے۔“

”مگر یہاں اس ویرانے میں تو بہت کم لوگ آتے ہوں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کا خیال درست ہے۔“ ڈاکٹر بولا۔ ”لیکن ابھی ہم زیادہ بھیڑ چاہتے بھی نہیں ہیں۔“

”ایسی صورت میں یہاں اس قسم کے سائن بورڈ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ آپ نے یہ محض لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے لگائے ہیں۔“

”ان بورڈوں کا صرف یہی مقصد نہیں ہے۔“ڈاکٹر مُسکرا کر بولا۔ ”یہ بھی طبّی دُنیا میں ایک نئے قسم کا تجربہ ہے۔“

”تجربہ۔۔۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔“ڈاکٹر پُر سکون لہجے میں بولا۔ ”اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو میں وضاحت

کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"مُجھے خوشی ہوگی۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھی بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ امراض کی صحیح تشخیص کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا۔

"ہماری تھیوری یہ ہے کہ اگر جسم کے سارے اعضاء تھوڑی دیر کے لیے ڈھیلے ہو جائیں یعنی ان پر کسی قسم کا زور نہ پڑے تو ایسی حالت میں مرض کی تشخیص میں کوئی خاص دقّت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیدا کس طرح کی جائے۔ ہم لوگ انسانی فطرت اور اس کی جذباتی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صرف خوشی ہی کا جذبہ ایسا ہے جو انسان کے جسم اور ذہن کو ایسی حالت میں لے آتا ہے جسے ہم سکون تو نہیں کہہ سکتے البتّہ اس سے ایک ملتی جلتی حالت ہے۔ جسم میں اعضاء ایک قسم کا ڈھیلا پن

محسوس کرتے ہیں یعنی ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا۔ لہٰذا ہم مریضوں کا طبّی معائنہ کرنے سے قبل انہیں خیالات کے تحت ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا سائن بورڈ دیکھتے ہی آپ کو ہنسی آئی ہو گی۔ لوگوں کو ہنسانے کے اور بھی بہتیرے طریقے ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کارٹون دِکھانا، مزاحیہ ریکارڈ سنوانا، مسخروں کی نقلیں دِکھانا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان سے اس طرح کے بے ڈھنگے سوالات کرتے ہیں کہ انہیں بے ساختہ ہنسی آئے۔ مثلاً میں آپ سے یہ پوچھوں کہ جب آپ بکری کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو اس وقت آپ کی کیا عمر تھی تو آپ کو بے ساختہ ہنسی آجائے گی۔"

"لیکن مُجھے افسوس ہے کہ مُجھے قطعی ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے۔

"محض اس لیے کہ میں نے آپ کو سب کُچھ بتادیا ہے لیکن اگر میں انتہائی سنجیدگی کے عالم میں طبّی معائنہ کرتے وقت آپ سے یہی سوال کرتا تو آپ اپنی ہنسی کسی صورت سے نہ روک سکتے۔"

”ہاں یہ ممکن ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“ ڈاکٹر نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

”ہم لوگ شہر سے شکار کھیلنے کی غرض سے آئے ہیں لیکن آپ کا سائن بورڈ دیکھ کر سب کچھ بھول گئے۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ”آپ لوگوں کا کارنامہ واقعی قابلِ ستائش ہے۔ طبّی دنیا میں آکر یہ تھیوری یقیناً ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دے گی۔“

”شکریہ۔۔۔!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”لیکن ابھی آپ ہمارے طریقۂ علاج سے واقف نہیں۔“

”اگر اس سے بھی مستفید ہو سکوں تو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”آیئے میرے ساتھ۔“

ڈاکٹر اُٹھا۔ اِسی کے ساتھ فریدی کے ساتھی بھی اُٹھ گئے۔ وہ انہیں متعدّد کمروں اور بر آمدوں سے گھماتا ہوا ایک دوسری عمارت میں لایا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس عمارت کے بنوانے میں ہزاروں روپے صرف ہوئے ہوں گے۔ جب وہ اس ڈاکٹر کی حماقت آمیز اور بے سر و پا گفتگو پر غور کرتا تو اسے حیرت ہونے لگتی۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے یہ لوگ یونہی بے مصرف تو اتنا پیسہ صرف نہیں کر رہے ہیں۔ ان حماقتوں کے پردے میں کوئی بہت ہی خطرناک قسم کی سنجیدگی کام کر رہی ہے۔ وہ لوگ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں سائنسی تجربات کرنے کے بہت سے آلات رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک زندہ چیتا پڑا ہوا تھا جس کے چاروں پیر رسّیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے جبڑوں کے گرد ایک تار لپیٹ دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنا منہ نہ کھول سکے۔ دوسرا ڈاکٹر ایک آلے کی مدد سے اس کے جسم سے خون نکال کر ایک برتن میں اکٹھا کر رہا تھا۔ اس سے کُچھ دور ہٹ کر چند لوگ کھڑے تجربے کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ چیتے کے حلق سے درد و کرب کی وجہ سے عجیب قسم کی گھٹی گھٹی سی

آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ آزاد ہونے کے لیے زور مار رہا تھا۔ لیکن بندش اتنی سخت تھی کہ جُنبش کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ فریدی اپنے ہمراہی ڈاکٹر سے اس کے متعلّق کُچھ پوچھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ دفعتاً چیتے کے منہ پر چڑھا ہوا تار کھسک کر زمین پر آ رہا اور چیتے نے ایک چیخ ماری۔ مگر چیتے کی چیخ تھی یا بکرے کی آواز۔ وہاں پر کھڑے ہوئے سارے لوگ بوکھلا گئے۔ چیتا بدستور بکرے کی آواز میں چیخے جا رہا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اس نے فریدی کے ساتھی ڈاکٹر کی طرف گھبرا کر دیکھا۔ فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اس کے ساتھ والے ڈاکٹر نے بھی قہقہہ لگایا۔

”دیکھا آپ نے۔“ اس نے فریدی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ”ہم لوگ اپنے مریضوں کو ہنسانے کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ سچ مچ بکرا ہے۔“

"بکرا۔۔۔!" فریدی نے متحیّر ہو کر دہرایا۔

"جی ہاں ہم نے اس پر چیتے کی کھال چڑھادی تھی۔"

"بہت خوب۔" فریدی اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "واقعی آپ لوگوں نے بہت ہی نفسیاتی قسم کے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔"

"اور آپ نے ابھی ہمارا طریقہ علاج تو دیکھا ہی نہیں۔" ڈاکٹر نے مُسکرا کر کہا۔

"اگر آپ اس پر بھی کُچھ روشنی ڈال سکیں تو ممنون ہوں گا۔" فریدی بولا۔

"ضرور ضرور اس طرف تشریف لائیے۔" ڈاکٹر نے ایک دروازے میں داخل ہو کر کہا۔

اس کمرے میں چاروں طرف چھوٹے بڑے کٹھرے لگے ہوئے تھے جن میں انواع واقسام کے جنگلی جانور بند تھے۔ ان لوگوں کے داخل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا سُرخ رنگ کا بندر تیز اور پتلی آواز میں چیخا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی ریلوے انجن نے سیٹی دی ہو۔ شہناز وغیرہ سہم گئیں۔

”ڈریے نہیں۔“ ڈاکٹر عورتوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اوّل تو اِن میں کوئی درندہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان سب کے کٹہرے مقفّل ہیں۔“

”ہاں تو آپ اس کٹہرے میں ایک کتّا بھی دیکھ رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”وہ آئیر ڈیل ٹیریئر ہے نا۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

”غالباً آپ کو کُتّوں سے خاصی دلچسپی ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”کُچھ یونہی سی۔“ فریدی بولا۔

”خیر تو اگر میں اس آئیر ڈیل ٹیریئر کو اس لومڑی کے کٹہرے کے قریب چھوڑ دوں تو کیا ہو گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”لومڑی سہم جائے گی۔“ اشرف بولا۔

”ٹھیک۔۔۔!“ ڈاکٹر نے مُسکرا کر کہا۔ ”لیکن ٹھہریے میں آپ کو ایک دلچسپ تماشہ دیکھاتا ہوں۔“

وہ کمرے سے چلا گیا۔ فریدی وغیرہ کٹہروں کے جانور دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سرنج تھی۔ پہلے اس نے کُتّے کو کٹہرے سے نکال کر لومڑی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کٹہرے پر جھپٹ پڑا۔ لومڑی خوفزدہ آوازیں نکالتی ہوئی ایک طرف سمٹ گئی۔ ڈاکٹر نے کُتّے کو پکڑ کر دوبارہ کٹہرے میں بند کر دیا اور پھر لومڑی کی ایک ٹانگ پکڑ کر سلاخوں کے باہر کھینچتے ہوئے اس میں انجکشن دے دیا۔ لومڑی نے چیخ مار کر ٹانگ اندر کھینچ لی۔ لومڑی تھوڑی دیر تک بیٹھی کانپتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے سردی لگ رہی ہو۔ پھر اچانک اس نے آہستہ آہستہ غرّانا شروع کر دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی کُتّا اپنے کسی حریف کو دیکھ کر غرّاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کُتّے کو دوبارہ کٹہرے سے نکالا۔ لومڑی کی غرّاہٹ اور تیز ہو گئی۔ کُتّا اس بار اُس کے کٹہرے پر جھپٹنے کے بجائے دور کھڑا لومڑی کی طرف گھور رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شُبے میں پڑ گیا ہو۔ دفعتہً ڈاکٹر نے لومڑی کا کٹہرا کھول دیا اور وہ کُتّے پر جھپٹ پڑی۔ کُتّا شاید اِس غیر متوقع حملے کے لیے تیّار نہیں تھا۔ وہ اُچھل

کر ایک طرف ہو گیا۔ لومڑی نے اس پر پھر حملہ کیا اس ہنگامے میں ثریّا وغیرہ کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے لومڑی کو پکڑا اور اسے پھر کٹہرے میں دھکیل کر کھڑکی بند کر دی۔ لومڑی بدستور غرّائے جارہی تھی۔ کُتّا چپ چاپ کٹہرے میں چلا گیا۔

"دیکھا آپ نے۔۔۔!" ڈاکٹر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

فریدی نے سر ہلا دیا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے آنکھوں کے حلقے اس طرح تنگ ہو گئے تھے جیسے وہ حال کی چکا چوند سے نظریں بچا کر مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"لومڑی پر اِس انجکشن کا اثر عارضی ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آجائے گی۔ یہ وہ نسخہ ہے جو نازی ڈاکٹر نے ایجاد کیا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم میں اسے بڑی شدّت سے استعمال کیا گیا۔ قریب قریب ہر لڑنے والے نازی کو اس قسم کے انجکشن دیے جاتے تھے۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"لیکن ہم نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ ہم اس انجکشن کے ذریعہ بُزدِلوں کو ہمّت والا بنا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کئی ایک تجربے اور کر رہے ہیں۔ اس انجکشن کو ذرا کُچھ اور تیز کر دیا جائے تو تپ دق کے مریض اس سے اچھے ہو سکتے ہیں۔"

"آپ لوگوں کے کارنامے قابلِ دید ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں کبھی آپ لوگوں سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔"

"یہ میرا کارڈ اور یہ میرے ساتھی کا۔" ڈاکٹر نے دو ملاقاتی کارڈ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "غالباً اب آپ لوگ شکار کھیلیں گے۔ لیکن کوئی درندہ شاید ہی آپ کو مل سکے۔"

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔ "تیندوے تو یہاں بکثرت ملتے ہیں۔"

”کبھی تھے لیکن اب نہیں۔“ ڈاکٹر بولا۔ ”ان سب کو ہم نے اپنی تجرباتی مہم میں کھپا دیا۔“

”تجرباتی مہم۔“ فریدی نے متعجّبانہ انداز میں دہرایا۔

”جی ہاں۔۔۔ بعض اوقات ہم وحشی درندوں کا خون انسان کے جسم میں ڈال کر اس کی بعض خامیاں دور کرتے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا ڈاکٹر۔۔۔ اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں کوئی فرصت کا موقع نکال کر آپ سے ضرور ملوں گا۔“

فریدی وغیرہ ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے کمپاؤنڈ سے باہر چلے آئے۔ پھاٹک سے گزرتے وقت فریدی نے نیپالی چوکیدار کے ہاتھ میں ایک پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیا۔

”میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“ شہناز نے راستے میں فریدی

سے کہا۔

"اس قسم کی ضرورتیں میں ہی سمجھتا ہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

یہ لوگ وہاں پہنچے جہاں سارجنٹ حمید مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے دو تین کافی وزنی قسم کی مچھلیاں شکار کر لی تھیں اور اب گھنی جھاڑیوں کی چھاؤں میں اوندھا لیٹا پائپ پی رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"فرمایئے۔۔۔ کوئی نئی شرارت۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ آپ کے لیے دلچسپی کا مشغلہ اور اپنے لیے ایک مُستقل آفت۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" فریدی نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آپ لوگوں کے لیے یہ جگہ سب سے بہتر رہے گی۔ یہاں کافی سایہ ہے اور

صاف شفاف زمین بھی، مچھلیاں بھی کافی ہیں۔ آپ لوگ اسٹوو وغیرہ تو ساتھ لائی ہی ہوں گی اور اس کے بعد سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بھوک لگ رہی ہے۔"

ثریّا اپنی کار سے ضروری سامان نکال لائی۔ شیلا مچھلیاں ادھیڑنے لگی، اشرف گھاس پر لیٹ کر ایک کتاب دیکھنے لگا۔ ثریّا اور شہناز اسٹوو ٹھیک کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

"اگر دو چار سیخ پر بھی مل جائیں تو کیا کہنا۔" فریدی نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔ "خیر گھوم پھر کر دیکھتا ہوں۔"

حمید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"کیوں! کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے تھوڑی دور چلنے کے بعد پوچھا۔

حمید نے پتلون کی جیب سے ایک ہار نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا۔" فریدی ہار کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "ارے یہ تو ہیروں کا

ہے۔نہایت عمدہ قسم کے ہیرے۔۔۔تمہیں کہاں سے ملا۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔" حمید نے کہا۔ "آپ یہ بتایئے کہ آپ اس ہار کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ہار تمہارے پاس ہے اور اس کے متعلّق میں بتاؤں۔"

"خیر تو پھر میں ہی بتاؤں۔" حمید بولا۔ "آپ نے پرسوں کے اخبار میں کرنل سعید کی آٹھ سالہ بچی کی گمشدگی کا حال پڑھا تھا۔"

"نہیں۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا۔

"خیر۔۔۔میں نے پڑھا تھا۔میں ان لوگوں میں سے ہوں جو خبریں پڑھ چُکنے کے بعد اشتہار تک چاٹ ڈالتے ہیں۔"

"آگے کہو۔" فریدی بولا۔

”یہ ہار وہ لڑکی پہنے ہوئے تھی۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا۔“

”اخبار میں یہ بھی تھا۔“

”لیکن اس کا کیا ثبوت کہ یہ وہی ہار ہے۔“

”ثبوت ابھی پیش کرتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ہار کے سب کے بڑے پھول کے پشت پر لگے ہوئے سونے کے ڈھکن کو اُٹھا کر فریدی کے سامنے پیش کر دیا۔ ڈھکن میں اندر کی جانب ایک چھوٹی سی تصویر فِٹ تھی۔ کسی خوبصورت اور نوجوان عورت کی تصویر۔

”کیا تم اس عورت کو پہچانتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔!“ حمید نے جواب دیا۔

”پھر یہ ثبوت کیسا۔۔۔!“

”اخبار میں اس تصویر کا تذکرہ تھا۔“

”تمہیں یہ ہار ملا کہاں سے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ایک مچھلی کے جبڑوں میں اٹکا ہوا تھا۔“

”کیا۔۔۔!“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں۔“

”اچھا تمہیں پھر اس لڑکی کے بارے میں کُچھ معلوم ہوا تھا یا نہیں۔“

”نہیں۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔

”ان دونوں ڈاکٹروں کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”کام تو قاعدے کا کر رہے ہیں مگر طریقہ کار بالکل احمقانہ ہے۔“

”کیا تم نے بھی کوئی احمقانہ حرکت دیکھی۔“

”جی ہاں ایک زندہ چیتے کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے جسم سے خون نکال رہے تھے۔“

”لیکن۔۔۔وہ چیتا نہیں بلکہ بکرا تھا۔“

”بکرا۔۔۔!“حمید قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔”چلیے آپ نے اور بھی بتا دیا۔“

”در حقیقت وہ بکرا ہی تھا۔“ فریدی نے کہا اور مختصر الفاظ میں سارے واقعات حمید کو بتاتا ہوا بولا۔”صرف ایک چیز مُجھے ان کے خلاف شُبے میں مبتلا کر رہی ہے۔“

”وہ کیا۔۔۔!“

”بکرے کے بول پڑنے پر ڈاکٹر آصف کا بو کھلا جانا اور دفعتاً میرے ساتھ والے ڈاکٹر وحید کا قہقہہ لگا کر اس کا جواز پیش کرنا۔ اگر در حقیقت اس حرکت سے ان کی وہی مراد تھی جو انہوں نے مُجھے بتائی تو ڈاکٹر آصف کے گھبرا جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے بہر حال یہاں حماقت کے پردے میں کوئی بہت ہی بھیانک ڈرامہ کھیلا

جارہاہے۔"

"مُجھے بھی کُچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ اس ویران مقام پر تجربہ گاہ قائم کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"خیر اس کے لیے تو وہ نہایت عمدہ بہانہ تراش سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "چونکہ ان کے تجربات وحشی درندوں سے متعلّق ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کے لیے ایک ویران جگہ منتخب کی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"اس ہار کو احتیاط سے جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔ "ان لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کر کے تم نے عقل مندی سے کام لیا۔"

"تو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔" حمید نے کہا۔

"کرنل سعید سے ملے بغیر کُچھ نہیں کیا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے بچی مل گئی ہو۔"

”لیکن یہ ہار یہاں جھیل میں کیسے پہنچا۔“

”بھئی تم بھی کمال کرتے ہو۔ ابھی یہی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی ہار ہے۔ محض تصویر کی بناء پر اس کے متعلّق کوئی رائے قائم کر لینا درست نہیں سمجھتا۔“

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ فریدی کُچھ سوچنے لگا تھا۔ سیخ پروں کا جھنڈ شور مچاتا ہوا ان کے اوپر سے گزر گیا۔ دونوں رُک گئے۔ انہیں توقع تھی کہ یہ جھنڈ دو تین چکّر لگانے کے بعد یہیں جھیل میں گِرے گا۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ لیکن ان کا خیال غَلَط نکلا۔ سیخ پروں نے دو چکّر لگائے اور پھر مشرق کی طرف اڑتے چلے گئے۔

”غالباً یہ اگلے تالاب میں گریں گے۔“ فریدی نے کہا۔

”کون سا تالاب۔۔۔!“ حمید نے پوچھا۔

دونوں اسی طرف روانہ ہو گئے جدھر سیخ پروں کا جھُنڈ گیا تھا۔ کھیتوں اور جھاڑیوں سے نکل کر وہ ایک کچّی اور کشادہ سڑک پر آ گئے۔ مطلع ابر آلود تھا۔

کبھی کبھی سورج بادلوں سے نکل کر اپنی تیز کرنیں پھیلانے لگتا۔ جہاں یہ لوگ چل رہے تھے سڑک کے دونوں طرف کھائیاں تھیں جن پر سرکنڈے کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

"شاید کوئی موٹر آرہی ہے۔" فریدی نے پیچھے کی طرف مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"موٹر کہاں۔۔۔!" حمید بولا۔ "مُجھے تو دِکھائی نہیں دیتا۔"

"آواز تو سُنائی دے رہی ہے لیکن شاید ابھی دور ہے۔ آؤ کھائیوں کے اُدھر نکل چلیں ورنہ گرد کے ایک طوفان سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔"

دونوں داہنی طرف کی کھائیوں پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر گئے۔

تھوڑی دیر بعد سڑک پر موٹر کی آواز آئی اور پھر دفعتہً مشین بند کر دی گئی۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی پھر بھی فریدی کی کھوجی طبیعت بے چین ہو گئی۔ وہ رُک گیا۔ کھائی کے قریب آکر اس نے سرکنڈے کی جھاڑیوں سے سڑک کی طرف جھانکا۔ ایک ٹرک سڑک پر کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر

اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اتنے میں حمید بھی فریدی کے قریب آگیا۔

موٹر ڈرائیور موٹر کے نمبروں کی تختی تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے پہلی تختی نکال لی اور اس کی جگہ دوسرے نمبروں کی تختی لگا دی۔ تھوڑی دیر تک کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ٹرک پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا اور ٹرک چل پڑا۔

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا جس کے ماتھے پر بے شمار سلوٹیں ابھر آئیں تھیں۔

دوسری عورت

"یہ معاملہ کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج سارے کے سارے واقعات انتہائی پُر اسرار نظر آرہے ہیں۔"

"اور اس کی شروعات تُم ہی سے ہوئی۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"یہ آج صُبح ہی صُبح تمہارا دماغ کیوں خراب ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"ہٹایئے اِن باتوں کو۔" حمید بولا۔ "آخر اُس نے ٹرک کے نمبر کیوں بدلے۔"

"بدلے ہوں گے بھئی۔" فریدی اُکتا کر بولا۔ "وہ سنو! سیخ پروں کا شور سُنائی دے رہا ہے۔ شاید ہم تالاب کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

وہ دونوں پھر چل پڑے۔ فریدی بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ تالاب نزدیک ہی تھا۔ سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر اُونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان تالاب کا پُر سکون پانی سورج کی کرنوں کے لہریوں سے کھیل رہا تھا۔ مشرق کی سمت سے کُچھ سیخ پر اور آئے اور چند لمحے پانی پر منڈلانے کے بعد نیچے گر گئے۔ حمید اور فریدی آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ٹیلوں کے پاس آئے۔ فریدی نے اپنی دونالی بندوق اُٹھائی، فائر ہوا، پرندے شور مچاتے ہوئے اُڑے۔ دوسرا فائر ہوا اور دو تین اُڑنے والوں میں سے بھی پانی میں گرے۔

"بہت خوب۔۔۔!" حمید چیخا۔ "دونالی بندوق کا صحیح استعمال صرف آپ جانتے ہیں۔"

"حمید تالاب میں اُتر گیا۔" اُس نے بدقّت تمام چار پرندے نکالے۔ دو سیخ پر جن

کے بازو زخمی ہو گئے تھے کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔

”میرے خیال سے تو اتنے ہی کافی ہوں گے۔“ حمید بولا۔

”اگر تمہاری نیّت بخیر رہی تو یقیناً ایسا ہی ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

دونوں واپس ہونے کے ارادے سے کھائیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ آسمان پر پھیلے ہوئے بادل پھٹ کر اِدھر اُدھر ٹکڑوں کی شکل میں بکھر گئے اور دھوپ تیزی سے چمکنے لگی تھی۔ کھائیوں کے قریب پہنچتے پہنچتے انہیں شدّت سے پیاس لگ گئی۔ جیسے ہی وہ سرکنڈے کی جھاڑیاں ہٹاتے ہوئے اُوپر چڑھے انہیں سامنے سڑک کے اس پار ایک عمارت دکھائی دی۔

”غالباً یہ وہی عمارت ہے جس کا تذکرہ اشرف نے کیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”آؤ چلیں شاید وہاں پانی مل سکے۔“

دونوں عمارت کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر انہیں مشینوں کے چلنے کی آواز سُنائی دی۔ فریدی عمارت کے پھاٹک پر لگا ہوا بورڈ پڑھنے لگا۔ ”یہاں خیموں کے

ستون تیّار کیے جاتے ہیں۔" پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اُن کی نظر ایک ٹرک پر پڑی۔ فریدی چونک پڑا۔ یہ وہی ٹرک تھا جس کے نمبر سڑک پر بدلے گئے تھے۔ حمید کُچھ بولنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

کمپاؤنڈ میں کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ تین چار بڑے بڑے شیڈ تھے، یہاں بانس اور لکڑی کے ڈھیر لگے تھے، ایک آدھ جگہ لکڑی کے بُرادے کے بڑے بڑے انبار بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "منیجر۔"

فریدی چِق اُٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے کرسی پر ایک دُبلا پتلا معمّر آدمی بیٹھا کُچھ لکھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کسی تجارتی مقصد کے تحت نہیں آیا۔" فریدی نے کہا۔

"تشریف رکھیے۔" منیجر مُسکرا کر بولا۔ وہ ابھی تک انہیں استعجاب آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ پیاسے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ۔۔۔!“ وہ مُسکرا کر بولا۔ ”تشریف رکھیے۔“ اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

”آپ ان لوگوں کو پانی پلاؤ۔“ اس نے کہا۔ نوکر کے چلے جانے کے بعد وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ ”شاید آپ لوگ اِدھر شکار کھیلنے کی غرض سے آئے تھے۔“

”جی ہاں۔۔۔!“

”اس سے پہلے بھی کبھی آچکے ہیں۔“

”اب سے تقریباً دو سال قبل۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس وقت آپ کا کارخانہ یہاں نہیں تھا۔“

”جی ہاں۔۔۔ ابھی حال میں یہاں کاروبار شروع کیا ہے۔ اس علاقے میں بانس بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے یہاں شہر سے اتنی دور آنا پڑا۔“

"بہر حال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے یہاں بھی مغربی ملک کے تاجروں کی طرح لوگ ترقّی کی دُھن میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

پانی پینے کے بعد دونوں اُٹھ گئے اور منیجر پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

سڑک کے قریب سے گزرتے وقت فریدی نے اس کے نمبروں کو غور سے دیکھنا شروع کیا جیسے انہیں وہ زبانی یاد کر لینا چاہتا ہو۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔ دونوں اب سڑک پر پہنچ چکے تھے۔

"کوئی سازش، کوئی جرم۔" حمید کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

"یہ تو ظاہر ہی ہے، تم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال ہمیں ایک نئی دردسری کے لیے تیّار ہو جانا چاہیے۔"

"وہ تو ظاہر ہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "بعض اوقات مُجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا اس قسم کے سارے واقعات اور حادثات ہمارا ہی انتظار کیا کرتے ہیں۔ اِس بار کو شاید میرا ہی انتظار تھا۔ اُس موٹر ڈرائیور کو سڑک ہی پر نمبر تبدیل کرنا تھا۔ ارے

یہی کرنا تھا تو اس عمارت کے اندر پہنچ جانے پر یہ حرکت کی ہوتی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ فریدی صاحب اسے دیکھ ہی لیں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ "اسی قسم کے اتّفاقات مجرموں کی گرفت کا باعث ہوتے ہیں ورنہ سُراغ رساں کوئی ولی اللہ یا دھرماتما تو ہوتا نہیں کہ پاتال کی خبریں لے آئے۔ مجرموں کی ذرا سی لغزش سُراغ رساں کی کامیابی بن جاتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر ذرا جلدی قدم بڑھایئے۔ بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔" حمید بولا۔

شہناز اسٹوو پر مچھلی کے قتلے تل رہی تھی۔ اشرف نے دوبارہ مچھلیاں پکڑنے کے لیے کانٹے تالاب میں پھینک دیے تھے اور ایک ڈور ہاتھ میں لیے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ شیلا اور ثریّا گھاس پر کہنیوں کے بل لیٹی ہوئی انگریزی کے ایک رسالے میں تصویریں دیکھ رہی تھیں۔

"اِس وقت شہناز کتنی اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مچھلیاں تل رہی ہیں نا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "پیٹو قسم کے عاشق اپنی محبوباؤں کو کھانا پکاتے دیکھ کر کافی محظوظ ہوتے ہیں۔"

"بہر حال خُدا نے آپ کو اس نعمت سے محروم رکھا ہے۔" حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"خدا ہر شریف آدمی کو اس نعمت سے محروم رکھے۔" فریدی نے کہا۔

"انگور کھٹّے ہیں۔"

"اچھا ٹھہرو۔۔۔ ابھی بتاتا ہوں کہ انگور کھٹّے ہیں یا میٹھے ہیں۔" فریدی نے کہا اور شہناز کے قریب پہنچ کر پھر بُلند آواز میں بولا۔ "میاں اگر عورت کھانا نہ پکائے تو مرد بھوکوں مرے اور سارا ارمان رکھا رہ جائے۔"

"کیا بات ہے؟" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"حمید صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں کھانا پکاتی ہوئی عورت انتہائی لچر معلوم ہوتی ہے۔" فریدی سنجید گی سے بولا۔

قبل اِس کے کہ حمید کُچھ کہتا شہناز نے اسٹوو پر رکھا ہوا فرائی پین زمین پر اُلٹ دیا اور مچھلی کے قتلے اِدھر اُدھر گھاس پر بکھر گئے اور شہناز مُنہ پھُلا کر دور جا بیٹھی۔

"ارے ارے۔۔۔ میں نے کب کہا تھا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ثریّا، شیلا اور اشرف بھی ان کے قریب آ گئے۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" ثریّا حیرت سے شہناز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"کُچھ نہیں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میاں حمید اب میٹھے انگور کھا کر پیٹ بھریں گے۔۔۔ کیوں حمید۔"

حمید کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ جھنجھلاہٹ اور ندامت نے اسے کُچھ بولنے ہی نہ دیا۔

"تو کیا پھر یہ دونوں لڑ گئے۔" شیلا نے کہا۔ "عجیب مُصیبت ہے۔ ارے بھئی ہم لوگوں نے کیا قصور کیا تھا۔۔۔ بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور مُنہ پھُلائے بیٹھی رہی۔ ثریّا نے پھر سے

فرائی پان اسٹوو پر رکھا اور بچے ہوئے قتلے تلنے لگی۔ شیلا اور اشرف سیخ پروں کے پر نوچنے لگے۔

"آپ خواہ مخواہ۔۔۔!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اچھا جی۔۔۔ مُجھ سے کیا مطلب۔"

"آپ نے خواہ مخواہ جھوٹ۔"

"انگور کھٹّے ہیں نا۔"

"بہر حال آپ کا مذاق بھی خطرناک ہوتا ہے۔" حمید منہ لٹکا کر بولا۔

"میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انگور کھٹّے نہیں ہیں۔ بلکہ اس قسم کے فضول نخرے برداشت کرنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "عورت بات بات پر روٹھتی ہے اور متوقع رہتی ہے کہ اسے کوئی منائے گا اور اگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو اسے اپنی زندگی ویران نظر آنے لگتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ دنیا میں اُس کا کوئی ہمدرد نہیں۔ اس کا وہ وقتی طور پر

روٹھ جانا ایسی صورت میں کوئی اہمیّت نہیں رکھتا۔ جب کہ کوئی اُسے منائے۔ لیکن اگر اس کی یہ توقع پوری نہ ہوئی تو یہی حالت ایک مُستقل مظلومیت بن جاتی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ کسی عورت کو مظلومیت کا خبط ہو گیا تو مرد کے لیے ایک مُستقل عذاب بن جاتی ہے کیا سمجھے۔"

"جی ہاں بہت کُچھ سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "دراصل آپ کا عِلم آپ کے لیے عذاب بن گیا ہے۔ آپ کبھی باقاعدہ قسم کی زندگی نہیں بسر کرسکتے۔ ایک سیدھا سادا سا مسئلہ عورت مرد، میاں اور بیوی آخر اسے اِس قدر اُلجھانے کی کیا ضرورت ہے، ذہن انسانی کی ایک ایک رگ کریدنے سے فائدہ؟ آپ انڈا کھانے کے بجائے اُس کی ماہئیت پر غور کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ ماہئیت ہی ماہئیت رہ جاتی ہے اور انڈا دوسرے چٹ کر جاتے ہیں اور پھر آپ کیا جانیں کہ اس روٹھنے اور منانے میں کتنا لطف ہے۔"

"تشریف لے جایئے نا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "میں نے آپ کے لیے وہ پُر لُطف موقع مہیّا کر دیا۔ لیکن ذرا خیال رہے ابھی راستے میں جو واقعہ پیش آیا ہے

اسے اپنے ہی تک محدود رکھیے گا اور وہ ہار والا معاملہ بھی۔"

حمید شہناز کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ثریّا اور شیلا ایک دوسرے کو دیکھ کر مُسکرائیں۔ اشرف نے فریدی کو آنکھ ماری اور فریدی جھیل میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینک کر چھوٹے چھوٹے دائروں کا بننا بگڑتا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ خیالات میں ڈوب گیا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر اشرف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتہً وہ فریدی کی ہنسی کی آواز سُن کر چونک پڑا۔ فریدی خود بخود ہنس کر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اشرف اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اِتّفاقاً فریدی کی اور اس کی نظریں ملیں اور فریدی کو پھر ہنسی آ گئی۔

"کیا بات ہے۔" اشرف نے متعجّبانہ لہجے میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ ایک احمق کا ایک مضحکہ انگیز قول یاد آ گیا۔"

"مضحکہ انگیز قول۔"

"ہاں وہ کہتا تھا کہ تم بڑے بدقسمت ہو اگر یہ نہیں جانتے کہ تمہارے شہر میں

کتنے کرنل رہتے ہیں۔"

"واقعی مضحکہ خیز ہے۔ بھلا شہر بھر کے کرنلوں کو کون گنتا پھرے گا۔"

"میرے خیال میں تو ہمارے شہر میں ایک بھی نہ ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں ایسا تو نہیں، میرے ہی پڑوس میں ایک کرنل صاحب رہتے ہیں۔۔۔ کرنل سعید۔"

"غالباً ریٹائر ہو گئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!"

"بھئی یہ فوجی بھی عجیب ہوتے ہیں۔ انتہائی شائستہ قسم کا فوجی بھی تھوڑا بہت۔۔۔ ضرور ہوتا ہے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" اشرف بولا۔ "اب کرنل سعید ہی کو لے لیجیے وہ چوبیس گھنٹہ فوجی بنا رہتا ہے۔ حد ہو گئی کہ تین چار دِن ہوئے اُس کی اکلوتی خورد

سال لڑکی غائب ہو گئی اور اس کے سکون و اطمینان میں کسی قسم کا کُچھ بھی فرق نہیں آیا۔"

"اکلوتی خورد سال بچّی۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تو آپ نے کہا کہ وہ ریٹائر ہو چکا ہے، اس کا مطلب کہ وہ کافی معمّر ہو گا اور صرف ایک چھوٹی سی بچّی۔"

"اس نے بہت دیر میں شادی کی تھی۔ بچّی کے پیدائش کے سلسلے میں بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر اس نے پانچ چھ سال تک شادی نہیں کی۔ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا اُس نے ایک کنواری لڑکی سے دوسری شادی کر لی اور اب بے چارہ دِن رات دواؤں کے اشتہارات پڑھا کرتا ہے اور ایک دِلچسپ بات۔۔۔ وہ بھی اِن احمق ڈاکٹروں کے چکّر میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے کئی بار ڈاکٹر وحید کو اُس کے یہاں جاتے دیکھا ہے، آج سے پہلے مُجھے یہ بات نہیں معلوم تھی۔ یہ سمجھتا تھا کہ وحید جس کا پہلے میں نام بھی نہیں جانتا تھا، اس کا کوئی ملنے والا ہے۔"

"تو یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کرنل سعید ان سے اپنا علاج کرا رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔ "محض قیاس کی بناء پر۔۔۔ یہ لوگ بوڑھوں کو جوان اور بزدلوں کو شیر بناتے ہیں نا۔ کرنل سعید کو اپنی جوان بیوی کی موجودگی میں جوان بننے کی سخت آرزو ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اور اس غریب بچّی کا کیا ہوا۔"

"کُچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"غائب کس طرح ہوئی تھی۔"

"گھر سے غائب ہو گئی۔"

"کیا گھر میں تنہا تھی۔"

"اس کے متعلّق میں کُچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتّہ اتنا جانتا ہوں کہ اس دوران میں کرنل شہر میں موجود نہیں تھا۔"

”کہیں باہر گیا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”بیوی گھر ہی میں رہی ہو گی۔“

”ہاں۔۔۔!“

”وہ کیا کہتی ہے۔“

”اِس کے متعلّق مُجھے علم نہیں۔ غالباً اس نے پولیس کو اپنا بیان ضرور دیا ہو گا۔“

”کرنل اس پر بگڑا تو بہت ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ اپنی بیٹی کو چاہتا بہت تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے زیور وغیرہ کے لالچ میں قتل کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا وہ زیورات پہنتی تھی۔“

”آپ ہی کا نہیں بہتوں کا یہی خیال ہے وہ ہیروں کا ایک ہار پہنے ہوئے تھی۔“

”ہیروں کا ہار اور آٹھ سال کی بچی۔“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے عرض کیا نا کہ کرنل اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔“

”تو اس کا مطلب کہ کرنل کافی مال دار آدمی ہے۔“

”خاندانی رئیس ہے۔“

”پھر بھی کم سِن بچّیوں کو اتنے قیمتی زیورات پہنا کر چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہے تو حماقت ہی۔“

”سوتیلی ماں کا برتاؤ اس کے ساتھ کیسا تھا۔“

”میرے خیال سے بُرا نہیں تھا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلّق ہے وہ بھی اسے بے حد چاہتی تھی۔ ثریّا کا بیان ہے کہ وہ اکثر اُسے اپنے پلنگ پر ہی سُلا لیا کرتی تھی۔“

”ہوں۔۔۔!“

اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔ فریدی سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا اور اشرف پھر مچھلی پکڑنے کی دوڑ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ثریّا اور شیلا مچھلیاں تل چُکنے کے بعد مسلم سیخ پر بھوننے کے لیے لکڑیاں اکٹھا کر رہی تھیں۔ حمید شہناز کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ارے بھائی میں قسم کھانے کے لیے تیّار ہوں۔“ حمید بولا۔

”لیکن میں آپ کی قسم کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔“

”بھئی میں کس طرح سمجھاؤں۔“

”میں کب کہتی ہوں کہ مُجھے سمجھایئے۔“

”عجیب آدمی ہو۔“

”دیکھیے میں خواہ مخواہ بات نہیں بڑھانا چاہتی۔“ شہناز تنک کر بولی۔

”تو میں کب چاہتا ہوں۔“

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔

”بعض اوقات فریدی صاحب کا مذاق حد سے بڑھ جاتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

شہناز پھر کُچھ نہ بولی۔

”خواہ مخواہ ایک بے تکی بات بول کر خود الگ ہو گئے۔“

”تو آپ ہی پر کون سی مُصیبت ٹوٹ پڑی۔“ شہناز بولی۔

”کیا یہ مُصیبت ہے کہ تُم خواہ مخواہ بد گمان ہو گئیں۔“

”ہاں صاحب میں تو مُصیبت ہی ہوں۔“

”ارے لا حول ولا قوۃ۔۔۔ میں نے یہ کب کہا۔ چھوڑو۔“ حمید بولا۔ ”میں نے تمہاری بد گمانی کو مُصیبت کہا تھا۔“

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ شہناز مُنہ پھُلا کر بولی۔

”فرق۔۔۔ ارے بھائی بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔“

”تو آپ جایئے نا یہاں سے۔“

”نہیں جاؤں گا۔“

”تو میں خود اُٹھ جاتی ہوں۔“

”نہیں اُٹھنے دوں گا۔“

”واہ اچھی زبردستی ہے۔“

”اب زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔“

”بھئی آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔“

”بھئی میں دفان ہوا جا رہا ہوں۔“ حمید نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

شہناز کُچھ نہ بولی۔

حمید پیر پٹختا ہوا افریدی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”فرمایئے۔“

”واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”میں آج سے کان پکڑتا ہوں۔“

”اپنے یا شہناز کے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”خُدارا اُس کا نام ذرا آہستہ سے لیجیے۔ اگر سُن لیا تو قیامت ہی آجائے گی۔“

”لاحول ولاقوۃ۔۔۔ تم نے پھر شوہروں جیسی باتیں شروع کر دیں۔ ارے میاں وہ تمہاری ہے کون۔ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ڈر کے مارے جان نکلی جارہی ہے۔ احمق کہیں کے۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

”حمید۔۔۔!“ فریدی تھوڑی دیر چُپ رہ کر بولا۔

”جی۔۔۔ فرمایئے۔“

”کیا واقعی تم اسے بہت چاہتے ہو۔“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“

”تو میں تمھیں ایک نیک مشورہ دیتا ہوں۔“

”فرمایئے۔“

”کسی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر تم فقیری لے لو اور بقیہ عمر خُدا کی یاد میں گزار دو۔“

”پیر و مُرشد۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آپ نے وہ مشورہ دیا ہے کہ میری پُشت ہا پُشت آپ کی احسان مند رہیں گی۔ لیکن اے طبیبِ روحانی والے رحمت یزدانی یہ دنیا سرائے فانی ہے۔ آج مرے کل دوسرا دِن پرسوں تیسرا۔ ترسوں چوتھا دِن۔ غرضیکہ اسی طرح دِن گزرتے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس منصبِ عاشقی کے لائق مُجھے اپنے علاوہ اور دوسرا نظر نہیں آتا۔“

”مذاق چھوڑو۔۔۔!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تمھیں ایک کامیاب

جاسوس دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور دیکھیے۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ لیکن میں اس کی اتنی بھاری قیمت ادا نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم تو ابھی کان پکڑ رہے تھے۔"

"تو آپ اس سے کیا سمجھے۔"

"یہی کہ اب تم عشق سے باز آجاؤ گے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اب میں آپ کو موقع بے موقع تاؤ نہ دِلایا کروں گا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔یہی تو میں کہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے آج کا سارا رومانس کِرکِرا کر دیا۔"

"مُجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن رومانی اعتبار سے میرا دِن بڑا حسین

رہا۔"

"رومانی اعتبار سے۔" حمید نے متعجّبانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں۔۔۔ یہی میرا رومان ہے۔ جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے جب کوئی پُراسرار چیز میرے سامنے آتی ہے۔ تو مُجھے کم و بیش وہی لذّت محسوس ہوتی ہے، وہی بے چینی مُجھ میں پیدا ہو سکتی ہے پھر جیسے جیسے قدم کامیابی کی طرف اُٹھتے ہیں میرا جنون تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ کیا سمجھے۔۔۔!"

"خُدا کرے میں کبھی کُچھ نہ سمجھوں۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو، تُم کرنل سعید کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" فریدی نے دفعتہً بات کا رُخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

"مُجھے اس کے متعلّق کوئی عِلم نہیں۔"

"کیا یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ تمہارے دوست اشرف کے بنگلے کے قریب ہی رہتا ہے۔"

”نہیں مُجھے اس کا عِلم نہیں۔“

”خیر۔۔۔ مُجھے اس کے متعلّق بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ یہ معاملہ مُجھے دِلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہاں دیکھو۔۔۔ اس ہار کا تذکرہ اس وقت تک کسی سے نہ کرنا جب تک میں اجازت نہ دوں۔“

”تو پھر اس ہار کا کیا کیا جائے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہ دوران تفتیش میری تجوری میں رہے گا۔“ فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آخر یہ اس کی پشت پر تصویر کِس کی ہے۔“

”غالباً لڑکی کی ماں کی تصویر ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا اخبار میں اس تصویر کے متعلّق کُچھ نہیں تھا۔“

”نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”اس سلسلے میں اشرف سے معلومات بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔“

”لیکن براہِ کرم اس سے باز رہیے گا۔ مُجھے جو کُچھ معلوم کرنا تھا معلوم کر چکا۔ اِک

ذرا ثریّا سے اور گفتگو کرنی ہے۔"

"کیا اسے یہاں بُلالوں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "ہمیں یہ کام نہایت ہی خاموشی سے کرنا ہے۔"

حمید کُچھ سوچنے لگا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"بھئی اب تو بُری طرح بھوک لگ رہی ہے۔"

"اب ایسی باتیں نہ کیجیے کہ میں اپنا انگوٹھا چوسنے لگوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کاش تم یہی کر سکتے۔"

"کیوں کیا اس طرح بھی ایک کامیاب جاسوس بننے کے امکانات ہیں۔"

"کیوں نہیں۔۔۔ کیا تم غزالہ کے چچا پرویز کو بھول گئے۔ وہ کتنی صفائی سے انگوٹھا چُوستا تھا۔"

”لیکن وہ جاسوس کب تھا۔“

”اگر مجرم نہ ہوتا تو یقیناً ایک کامیاب جاسوس ثابت ہوتا۔“

تھوڑی دیر بعد ثریّا وغیرہ نے دستر خوان لگا دیا۔ ”لیکن اس دستر خوان پر صرف چار آدمی بیٹھ سکیں گے۔ میں ثریّا، اشرف بھائی اور فریدی صاحب۔ بقیہ لوگوں کے لیے الگ کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔“ شیلا نے کہا۔

”بقیہ لوگوں میں مُجھے قطعی بھوک نہیں ہے۔“ شہناز چِڑ کر بولی۔

”اور۔۔۔ بقیہ۔۔۔ لوگوں میں۔۔۔ میں بھوکا۔۔۔ قطعی بھوکا نہیں ہوں۔“ حمید اس طرح رُک رُک کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا کہ شہناز کے علاوہ سب لوگ ہنس پڑے۔

”تو بہتر ہے آپ لوگ کہیں دور جا کر ہوا کھائیے۔“ ثریّا چہک کر بولی۔

”ذرا کُچھ خالی پلیٹیں عنایت فرمائیے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“ شیلا نے پوچھا۔

”ہوا کھانے کے لیے۔“

”بات کُچھ جچی نہیں۔“ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم کوئی ایسی بات کہو گے کہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔“

”اب اگر آپ اس جملہ کی گہرائی تک نہ پہنچ سکیں تو میں کیا کروں۔“ حمید نے جھینپ کر کہا۔

تھوڑی سی تفریح

پکنک سے واپسی کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور سیدھا کوتوالی چلا گیا۔ حمید شہناز کو مناتا ہوا اس کے گھر تک چلا گیا تھا۔

فریدی شاذ و نادر ہی کوتوالی کی طرف جاتا تھا۔ اس لیے وہاں اس کی موجودگی دوسروں کی نظر میں خاصی اہمیّت رکھتی تھی۔ آج بھی اسے وہاں دیکھ کر لوگ یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو گئے کہ وہ کس لیے آیا ہے لیکن کسی کی تشفی نہ ہوئی۔

جگدیش آج کل کوتوالی انچارج تھا۔ فریدی کی امداد نے اُسے اتنی جلدی ترقّی کے اُن مدارج تک پہنچادیا تھا۔ پرانے اور تجربہ کار سب انسپکٹر منہ ہی دیکھتے رہ گئے اور جگدیش کوتوالی انچارج ہو گیا۔

اس وقت وہ آفس میں بیٹھا پرانے فائل رکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

"آیئے۔۔۔ آیئے۔۔۔ انسپکٹر صاحب میں کئی دِن سے ارادہ کر رہا تھا کہ آپ سے ملوں۔" جگدیش بولا۔

"تم دو ہی تو آئے ہو میرے حصّے میں۔ ایک حمید دوسرے تم۔ بہانے بازی کے ماہر۔ فریدی نے ہنس کر کہا۔"

"نہیں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔"

"خیر خیر۔۔۔!" فریدی بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیا کوئی ضروری کام کر رہے ہو۔"

"نہیں تو۔۔۔!"

”آؤ کہیں ٹہلیں گے۔“

”چلیے۔“ جگدیش نے کہا۔

”ٹیکسی کر کے دونوں وکٹوریہ پارک پہنچے۔“

”آج کل بے کاری کی وجہ سے طبیعت اُکتایا کرتی ہے۔“ فریدی بولا۔

”یہاں تو دم مارنے کی بھی فرصت نہیں رہتی۔“ جگدیش نے کہا۔

”کیا آج کل کام زیادہ ہے۔“

”آج کل کیا۔۔۔ ہمیشہ کام زیادہ رہتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس دوران میں کوئی خاص قسم کا حادثہ نہیں ہوا۔“ فریدی سِگار سلگاتا ہوا بولا۔

”بعض اوقات بہت ہی عام قسم کے حادثے خاص سے بھی زیادہ بن جاتے ہیں۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ارے ابھی پرسوں ہی کی بات ہے کہ کرنل سعید کی آٹھ سالہ بچّی کھو گئی جس کے گلے میں ایک بیش قیمت ہیروں کا ہار تھا۔“

”تو کیا ہوا۔۔۔ مل ہی گئی ہو گی۔“

”یہی تو مُصیبت ہے کہ آج تک اس کا پتہ نہیں لگ سکا۔“

”اتنا بیش قیمت ہار پہنا کر اسے اکیلے گھر سے نکالا ہی کیوں گیا۔“

”اکیلے! ہاں۔۔۔ وہ معاملہ ہی عجیب ہے۔“

”یعنی۔۔۔!“

”لڑکی اپنے سونے کے کمرے سے غائب ہو گئی۔“

”سونے کے کمرے سے۔۔۔ تو کیا رات میں کسی وقت۔“

”جی ہاں۔۔۔ اس کی اطلاع گھر والوں کو دوسرے دِن صُبح ہوئی۔“

”بہت خوب۔۔۔ معاملہ دلچسپ ہے۔“ فریدی سوچتا ہوا بولا۔ ”اور ہار کے متعلّق کیسے معلوم ہوا۔ کیا لڑکی ہار پہن کر سوئی تھی؟“

”کرنل کی بیوی تو یہی کہتی ہے۔ وہ دراصل اس کی سوتیلی ماں ہے۔“

”عجیب و غریب لوگ ہیں۔ میں نے انتہائی دولت مند گھرانوں میں بھی یہ نہیں دیکھا کہ اتنے قیمتی زیورات کی طرف سے اتنی لاپرواہی برتی جائے۔“

”کرنل کافی دولت مند آدمی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کی سوتیلی ماں کی حرکت ہے۔“ فریدی بولا۔

”خیال تو میرا بھی یہی تھا لیکن کرنل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیّار نہیں۔ پڑوس کے لوگوں سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔“

”ہوں۔۔۔!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا وہ پردے میں رہتی ہے۔“

”نہیں صاحب۔۔۔ ترقّی یافتہ لوگ ہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت دونوں

میاں بیوی کسی ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے ہوں گے۔"

"تو یہ سارے حالات تمہیں اس کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔۔۔ کرنل سعید تو یہاں تھا ہی نہیں۔ وہ کل کہیں باہر سے آیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی نے کرنل سے معقول رقم وصول کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" جگدیش نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"خیر ہو گا۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "ہاں بھئی تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی۔"

"پوچھیے۔"

"کبھی جھریالی کی طرف گئے ہو۔"

"اکثر شکار کے سلسلے میں جانے کا اتّفاق ہوا ہے۔"

”اس درمیان کب گئے تھے۔“

”تقریباً دو تین ماہ کا عرصہ ہوا۔“ جگدیش نے کہا۔

”وہاں دوڈاکٹروں کی تجربہ گاہ بھی دیکھنے کا اتّفاق ہوا تھا یا نہیں۔“

جگدیش کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

”ہاں ہاں بظاہر ان کی حرکتیں احمقانہ ہیں۔“ جگدیش بولا۔ ”لیکن کارنامے قابلِ تعریف۔“

”کیا کوئی خاص کارنامہ تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہے۔“

”ان کے کارناموں کا اعتراف خود حکومت کو ہے۔ جنگ کے نہ جانے کتنے ہی زخمیوں کو انہوں نے بالکل نئی زندگی بخش دی۔ ان کے لیے تجربات کے سِلسِلے میں خود حکومت اُن کی مدد کر رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے کُچھ آلات حکومت کے توسط سے منگوائے ہیں۔“

"اور میں اتنا غافل ہوں کہ مُجھے ان کے بارے میں آج تک کُچھ نہیں معلوم ہوا۔" فریدی نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ کیا کوئی خاص بات۔" جگدیش چونک کر بولا۔

"نہیں۔۔۔ کوئی خاص بات نہیں۔ مُجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اتنے دِلچسپ اور قابل آدمیوں سے اتنے دِنوں کے بعد ملاقات کر سکا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں کوئی ضرور بات ہے۔"

"کُچھ نہیں بھئی۔۔۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں جو کُچھ پوچھوں اس کے پیچھے کوئی خاص بات ہی ہو۔"

جگدیش خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

"بھائی حمید کے کیا حال ہیں۔" جگدیش تھوڑی دیر بعد بولا۔

”وہی پرانا مرض۔“

”یعنی۔۔۔!“

”عشق بازی۔“

جگدیش ہنسنے لگا۔ ”آخر آپ کو اُس سے اتنی نفرت کیوں ہے۔“ جگدیش نے مُسکرا کر پوچھا۔

”نفرت نہیں بھئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں عشق کا قائل ضرور ہوں مگر ایسی صورت میں جبکہ بالکل بے کاری ہو۔ بے کاری سے یہ مطلب نہیں کہ کوئی کام نہ ہو بلکہ بے کاری سے مراد بڑھاپا ہے۔ یعنی جب بالکل ہاتھ پیر تھک جائیں اس وقت عشق کرنا چاہیے۔“

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ اس وقت عشق کہاں ہوتا ہے۔“

”اگر نہیں ہوتا تو عشق سے زیادہ لغو چیز دنیا میں ہے ہی نہیں۔“

جگدیش مُسکرا کر خاموش ہو گیا۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا سِگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ دفعتہً جگدیش کی طرف مُڑ کر بولا۔

"اس ہار کے متعلّق بھی کُچھ معلوم ہے۔۔۔ کس قسم کا تھا۔"

"سونے کی ہشت پہل ٹکیوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔۔۔ درمیانی ٹکیہ کی پشت پر لڑکی کی ماں کی تصویر تھی۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ "کرنل کے یہاں کون کون رہتا ہے۔"

"وہ اور اس کی بیوی۔ تین نوکر، ایک باورچی اور ایک خادمہ۔ پائیں باغ میں ایک مالی ہے اور ایک چوکیدار جو پھاٹک کے قریب بنی ہوئی ایک کوٹھری میں رہتا ہے۔"

"ان لوگوں کے بیانات لیے۔"

”ہاں۔۔۔ لیکن فضول۔ کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہو سکی جس سے اصل معاملے پر کچھ روشنی پڑتی۔“

”اِن میں سے کسی کو مشتبہ بھی قرار دیا یا نہیں۔“

”یوں تو سبھی پر شُبہ کیا جا سکتا ہے۔“

”لیکن تمہیں کسی پر شُبہ نہیں۔“

”شُبے کی کوئی وجہ بھی ہوتی ہے۔“

”تمہیں کوئی وجہ نہیں مل سکی۔“ فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ”آخر تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔ تم کہتے ہو کہ وہاں ایک چوکیدار بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ رات بھر جاگتا رہتا ہو گا۔ دوسری طرف تم یہ بھی کہتے ہو کہ لڑکی رات کو کسی وقت غائب ہوئی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ساری ذمّہ داری چوکیدار پر آ پڑتی ہے۔“

”اوہ۔۔۔ یہی تو مصیبت ہے۔“ جگدیش نے کہا۔ ”وہ غریب تو یقیناً ایک ہفتہ سے

بیمار پڑا ہے۔“

”سُنی سُنائی کہہ رہے ہو یا تُم نے خود دیکھا ہے۔“

”جس وقت میں نے اُسے دیکھا وہ اس وقت بھی غشی کی حالت میں تھا۔“

”مالی رات کو بھی وہیں رہتا ہے۔“

”جی ہاں۔“

”بقیہ نوکر۔۔۔“

”سب وہیں رہتے ہیں۔“

”تم نے لڑکی کے سونے کا کمرہ بھی دیکھا۔ کوئی خاص بات۔“

”کُچھ نہیں۔“

”کاش میں اس وقت وہاں موجود ہوتا۔“

”اوہ۔۔۔!“ جگدیش چونک کر بولا۔ ”تو کیا آپ اِس کیس میں دِلچسپی لے رہے

ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن کیس دِلچسپ ضرور ہے۔" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تم مُجھے کرنل کے گھر کسی طرح لے چل سکتے ہو۔"

"کسی طرح کیا۔۔۔ ابھی چلیے۔"

"نہیں۔۔۔ میں وہاں انسپکٹر فریدی کی حیثیت سے نہیں جاؤں گا۔" جگدیش اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اس وقت چھ بجے ہیں۔" فریدی اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تُم ابھی کرنل کے یہاں اسی کیس کے متعلّق مزید معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں چلے جاؤ۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس تمھیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ جائے گا۔"

"میں کُچھ نہیں سمجھا۔" جگدیش بے بسی سے بولا۔

"عجیب احمق آدمی ہو۔ کیا اتنے دِنوں سے بھاڑ ہی جھونک رہے ہو۔ ارے بھئی

وہ سب انسپکٹر میں ہی ہوں گا۔"

"اوہ۔۔۔!" جگدیش چہک کر بولا۔ "تو گویا آپ سچ مچ اِس کیس میں دِلچسپی لے رہے ہو۔"

"یوں ہی سمجھ لو۔"

"تب تو یہ کوئی کیس نہیں معلوم ہوتا۔"

"بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں کوئی ضروری کام تو نہیں کرنا۔"

"نہیں۔۔۔!"

"تب تُم فوراً کرنل کے یہاں چلے جاؤ۔" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

جگدیش ایک ٹیکسی پر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی سڑک پار کرتا ہوا گھر جانے کے بجائے ایک پتلی سی گلی میں مُڑ گیا۔ اس نے شہر کے متعدّد چھوٹے

موٹے ہوٹلوں میں کمرے کرائے پر لے رکھے تھے جنہیں وہ اکثر کسی نہ کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرتا رہتا تھا۔ وہ تین تنگ گلیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک بوسیدہ سی قدیم طرز کی عمارت کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ یہ ایک گندہ سا ہوٹل تھا جہاں کم حیثیت کے لوگ آ کر قیام کیا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر دیہی علاقوں کے مقدمہ باز زمیندار ہوا کرتے تھے۔ اس کا مالک شہر کے مشہور بدمعاشوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔۔۔ چل کر میرا کمرہ کھول دو۔"

اس نے میز کی دراز سے کنجیوں کا لچھا نکالا اور ایک طرف چلنے لگا۔

"تمہارے اس نئے دھندے سے میں خوش نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"جی کون سا دھندہ۔"

"دیکھو مُجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

"سچ مچ میں نہیں سمجھا۔"

”کمرہ نمبر دس میں کون ہے؟“

”وہ دراصل۔۔۔!“

”دیکھو پولیس کو اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے آدمی دیہاتوں سے بھولی بھالی لڑکیوں کو بھگا لاتے ہیں اور تم ان سے پیشہ کراتے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ کیا یہ ہوٹل تمہارے اخراجات کے لیے کافی نہیں۔“

”میں۔۔۔ میں مگر۔“

”فضول باتیں چھوڑو۔۔۔ میرے سامنے تمہارا کوئی جھوٹ نہیں چل سکتا۔“

”جی بات یہ ہے کہ۔۔۔!“

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی کڑے لہجے میں بولا۔ ”اِن لڑکیوں کو آج ہی یہاں سے ہٹا کر ان کے گھروں کو بھجوا دو۔ ورنہ کل تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ پولیس کسی مناسب موقع کی منتظر ہے۔“

"جی بہت اچھا۔"

کمرہ کھول کر ہوٹل والا واپس چلا گیا۔۔۔ یہ تنگ و تاریک کمرہ تھا جس میں سیلن کی بدبُو گونج رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ایک دِیاسلائی نکال کر طاق پر رکھی ہوئی موم بتّی روشن کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی ایک ادھیڑ عمر کے سب انسپکٹر کے بھیس میں کمرے سے بر آمد ہوا۔ اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے بلب روشن ہو گئے تھے۔ شہر کی چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ ہوٹل کے سامنے کاروں تانگوں کے جمگھٹے تھے۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا کرنل سعید کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد اُس نے ٹیکسی ایک جگہ رکوائی اور کرایہ ادا کر کے پیدل چل پڑا۔

چند لمحوں کے بعد وہ کرنل سعید کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ نوکر سے

اطلاع کرنے پر وہ ڈرائنگ روم میں بُلوا لیا گیا۔ جگدیش ایک نوجوان اور خوبصورت عورت سے باتیں کر رہا تھا۔

”واہ انسپکٹر صاحب۔۔۔ میں آپ کا انتظار ہی کر تارہ گیا۔“ فریدی نے جگدیش سے کہا۔

”آیئے آیئے۔“ جگدیش ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”ایک ضروری کام سے مُجھے یہاں آنا پڑا۔ بہر حال میں آپ کے لیے کوتوالی میں کہہ رہا تھا۔ کہیے آپ کے علاقے میں سب خیریت ہے نا۔“

”جی ہاں۔۔۔ کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی کی نظریں دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر پر جم گئیں۔ یہ تصویر اسی عورت کی تھی جسے اُس نے ہیروں والے ہار میں دیکھا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ جگدیش اُسے کرنل صاحب کی لڑکی کی گمشدگی کا حال بتانے لگا۔ فریدی دِلچسپی اور توجّہ سے سنتا رہا۔ درمیان درمیان وہ بول بھی پڑتا تھا۔ عورت خاموش تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ ٹھنڈی سانس لے کر

وہ بے چینی سے صوفے میں کسمسانے لگتی۔

"اور ابھی بیگم صاحبہ کی زبانی معلوم ہوا کہ۔" جگدیش عورت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "اس صدمے کی وجہ سے کرنل صاحب کے دماغ پر بُرا اثر پڑتا ہے۔"

"یعنی۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

"دماغی حالت درست نہیں۔ اکثر وہ اپنے کُتّے کو دیکھ کر بھونکنے لگتے ہیں۔" جگدیش نے یہ جملہ کُچھ ایسے احمقانہ انداز میں کہا کہ فریدی کو ایک بے ساختہ قسم کا قہقہہ ضبط کرنا پڑا۔

"اچھا۔۔۔!" فریدی عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ بہت ہی تشویش ناک حالت ہے۔" عورت نے کہا۔

فریدی نے اس کی آواز میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس کی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے دور کہیں ویرانے میں دفعتہً گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔

”واقعی یہ حادثہ بہت ہی افسوس ناک ہے۔“ فریدی بولا۔ ”کیا رات کو یہاں کوئی باہری آدمی آیا تھا۔“

عورت دفعتاً چونک پڑی۔

”جی نہیں۔۔۔ نہیں تو۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”اکثر مہمان تو آتے ہوں گے۔“

”جی ہاں۔۔۔ کبھی کبھی۔“

”اور کرنل صاحب کے ملنے والے بھی۔“

”جی ہاں۔“

”اس دِن کون کون آیا تھا۔“

”جہاں تک مُجھے یاد ہے کوئی نہیں۔“

”اس وقت کرنل صاحب کہاں ہیں۔“

”میں نے بتایا کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔ انہیں نوکروں کی نگرانی میں ایک الگ کمرے میں رکھا گیا ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”اتنی خراب حالت ہے۔“

تھوڑی دیر بعد رسمی گفتگو کرتے رہنے کے بعد جگدیش اور فریدی اُٹھ گئے۔ فریدی کا ایک مقصد تو حل ہو گیا تھا۔ کرنل سعید کے ڈرائنگ روم میں لگی تصویر نے اِس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ جھریالی سے نکلنے والا ہار وہی تھا جو کرنل کی لڑکی پہنے ہوئے تھی۔ جگدیش اور فریدی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے چوراہے تک آئے۔ جگدیش نے ایک ٹیکسی کروائی لیکن فریدی نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ گھر واپس جانے کی بجائے حمید کے الفاظ میں مٹر گشتی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی یہ مٹر گشتی خاص ہی خاص موقعوں پر ظاہر ہوتی تھی جب کوئی خطرناک کام انجام دینا ہوتا یا جب کوئی اُلجھا ہوا معاملہ درپیش ہوتا تو فریدی عموماً شہر کی سڑکوں کے چکّر لگایا کرتا تھا۔

کرنل سعید

دوسرے دِن صُبح حمید اور فریدی کرنل سعید کے متعلّق ناشتہ کرتے وقت گفتگو کررہے تھے۔

"آخر آپ اسے یہاں کیوں اُٹھالائے ہیں۔" حمید بولا۔

"اِس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔"

"کیسا چارہ۔۔۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ میں تو ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔" حمید اُکتا کر بولا۔

”میں خود ابھی تک کُچھ نہیں سمجھ سکا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر اِسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید بولا۔ ”خواہ مخواہ ہلّڑ مچے گا۔“

”اس کی زندگی خطرے میں تھی۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”چند مشاہدات کی بناء پر میں ایسا کہہ رہا ہوں۔“

”جلدی کہہ بھی ڈالیے۔“ حمید مُضطربانہ انداز میں بولا۔

”ذرا سوچو تو جب اِس کی دماغی حالت اتنی خراب تھی تو اِسے اِس طرح کیوں رکھا گیا تھا کہ وہ آزادانہ باہر نکل آیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے کُتّے کسی کوٹھری وغیرہ میں بند کرنے کے بجائے باغ میں کیوں باندھے گئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ کُتّوں سے لڑنے پر آمادہ رہتا تھا۔ کُتّوں کو گھر سے ہٹا دینا چاہیے تھا۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ کُچھ سوچ رہا تھا۔

”غالباً آپ کا مطلب یہ ہے کہ کرنل کی بیوی اس بچّی کو اپنی راہ سے ہٹانے کے بعد اب خود کرنل کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔“حمید نے کہا۔

”میں اتنی جلدی نتائج نکال لینے کا قائل نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر آپ کا کیا خیال ہے۔“

”ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔“

”کرنل سعید کی بیوی کو تو آپ نے دیکھا ہو گا۔“حمید نے کہا۔

”ہاں۔۔۔!“

”اشرف کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کافی حسین ہے۔“

”ہاں بے حد حسین۔“

”اگر میں اُس سے عشق شروع کر دوں تو کیسی رہے۔“

”ہر جگہ یہ تدبیر کام نہیں آسکتی۔“ فریدی نے کہا۔”ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہماری

اِن حرکتوں سے یہاں کے سارے جرائم پیشہ واقف ہو چکے ہیں۔ اب کوئی عورت دھوکا نہیں کھا سکتی۔"

"یہی تو سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔" حمید اپنے چہرے پر اداسی طاری کرتا ہوا بولا۔ "بہر حال آپ نے اس کی بیوی کے متعلّق کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"صورت سے تو کسی طرح مُجرم نہیں معلوم ہوتی۔" فریدی نے کہا۔ "یہ نظریہ بھی ہر جگہ کار آمد نہیں ہوتا۔"

"پھر آخر کار آمد ہوتا کیا ہے۔"

"ٹھنڈے دِل سے ہر معاملے پر غور کرنا۔" سنجیدگی سے کہا۔

"اونہہ! ہو گا۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"خیر۔۔۔ ذرا اُٹھ کر کھڑکیاں اور دروازے بند کر دو۔ نوکروں سے کہہ دو اگر کوئی ملنے کے لیے آئے تو کہہ دیں کہ ہم لوگ گھر پر موجود نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“

”عجیب احمق ہو۔۔۔ارے بھئی کرنل سعید۔“

”اوہ۔۔۔!“ حمید اُٹھتا ہوا بولا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں۔

فریدی اُٹھا۔ اُس نے فرش پر بچھے ہوئے قالین کا ایک کونا ہٹایا اور پھر فرش کے بڑے بڑے چوکور پتھّروں میں سے ایک ہٹا دیا گیا۔ نیچے سیڑھیاں تھیں۔ فریدی اور حمید نیچے اُترنے لگے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ حمید نے بڑھ کر ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھُل گیا۔ یہ ایک زمین دوز کمرہ تھا۔ صاف ستھرا۔ زمین پر قالین تھا۔ ایک طرف ایک صوفہ سیٹ قرینے سے رکھا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک مسہری تھی۔ جیسے ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے کرنل سعید کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر شدید غصّے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اُن دونوں کے دیکھتے ہی وہ اُن پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اُسے

مسہری پر دھکیل دیا۔

"تم لوگ کون ہو اور مُجھے یہاں کیوں بند کرر کھا ہے۔" کرنل سعید گرج کر بولا۔

"محض تمہاری حفاظت کے خیال سے۔" فریدی پُر اطمینان لہجے میں بولا۔

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"تو گویا تم اس وقت ہوش میں ہو۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"اگر خیریت چاہتے ہو تو مُجھے چھوڑ دو۔" سعید پھر گرجا۔

"لیکن آپ اسی طرح بخیریت رہ سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر وہی بکواس۔۔۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "کرنل سعید جو پہلی جنگِ عظیم میں جرمنوں کے خلاف لڑا تھا اور اب اپنے کُتّوں سے لڑتا ہے۔"

اچانک کرنل سعید پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ غصّے میں تپتے ہوئے چہرے پر

سپیدی دوڑ گئی اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے ایک عجیب قسم کا غم انگیز اضمحلال جھانکنے لگا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کی ذہنی کشمکش کے بعد اُس نے خود پر قابو پالیا۔

"لیکن تُم نے مُجھے یہاں بند کیوں کر رکھا ہے اور تُم کون ہو۔" کرنل سعید آہستہ سے بولا۔

"محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اگر میں تمہیں یہاں نہ لے آتا تو تمہارے خوفناک کُتّے تمہیں چیڑ پھاڑ کر رکھ دیتے۔"

"اوہ۔۔۔!" سعید چیخ کر بولا۔ "تُم کون ہوتے ہو میرے نجی معاملات میں دخل دینے والے۔"

"قانون کا محافظ۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تُم بتا سکتے ہو کہ تمہاری لڑکی کہاں گئی۔"

"اچھا تو کیا میری لڑکی کو تلاش کرنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔" کرنل سعید

طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”کس اُلّو کے پٹھّے نے تمہیں محکمہ سُراغ رسانی کا انسپکٹر بنایا ہے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”دیکھو میں کہتا ہوں مُجھے چھوڑ دو۔“

”کیا تم ڈاکٹر وحید کو جانتے ہو؟“ فریدی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

”جسے تم نِجی سمجھ رہے ہو وہ قانون کی نظروں میں بہت بڑا جرم ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“ کرنل سعید چونک کر بولا۔

”لڑکی کو غائب کر کے تُم نے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔“ کرنل سعید چیخ اٹھا۔

"تو پھر تم پاگل پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے ہو۔"

"میں ڈھونگ نہیں رچاتا۔۔۔ میں۔۔۔ لیکن میں کیوں بتاؤں۔۔۔ تُم میرا کُچھ نہیں کر سکتے۔" کرنل سعید چیخ کر بولا۔

"وہ تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔"

"دنیا کی کوئی طاقت مُجھے اِس پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔ "ابھی کوئی ایسی جلدی نہیں۔ میں تمہیں اِس پر غور کرنے کے لیے وقت دیتا ہوں۔"

"مگر تُم اپنے حق میں اچھّا نہیں کر رہے ہو۔" کرنل سعید نے کہا۔ "کسی شخص کو اس طرح نظر بند کر دینا بھی قانوناً جرم ہے۔ تمہیں ایک دِن اِس کے لیے پچھتانا پڑے گا۔"

"ایک دِن کیا۔۔۔!" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اسی وقت پچھتانے کے لیے تیّار ہوں۔"

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہو گیا۔

"جاؤ کرنل کے لیے ناشتہ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید چلا گیا۔

"دیکھو کرنل۔" فریدی بولا۔ "میں جو کُچھ بھی کر رہا ہوں تمہاری ہی بہتری کے لیے۔"

"جی عنایت کا شکریہ۔ آپ مُجھے احسان مند نہ بنائیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"خیر تمہاری مرضی۔۔۔ لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔" فریدی بولا۔

پولیس کی حیرانی

تہہ خانے سے واپس آنے کے بعد فریدی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور حمید کچھ اکتایا ہوا اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

"تم نے کیا اندازہ لگایا۔" دفعتاً فریدی بولا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا واقعی اس نے پاگل پن کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔"

"بات تو کچھ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

”آدمی سخت قسم کا ہے۔ ذرا مشکل ہی سے کُچھ اُگلے گا۔“ فریدی بولا۔

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ حمید نے کہا۔”اگر وہ بنا ہوا پاگل تھا تو اسے اپنے پاگل پن کا اظہار اُس وقت کرنا چاہیے تھا جب کہ اُسے دیکھنے والے موجود ہوں۔ رات کے سنّاٹے میں جب غالباً گھر کے سارے افراد سو رہے تھے اس نے یہ حرکت کیوں کی۔ بالکل کُتّوں جیسی حرکتیں تھیں۔ رات کو اس نے ایک ٹانگ اُٹھا کر کُتّوں کی طرح پیشاب بھی کیا تھا۔ اس کی ان ساری حرکتوں میں اتنی بے ساختگی تھی کہ کیا کہوں اور پھر دوسری بات یہ کہ اس کے کُتّے بھی اِس سے لڑنے کے لیے تیّار ہو جاتے ہیں۔“

”میں تمھیں انہی الجھاؤں کی طرف لانا چاہتا تھا۔“ فریدی بولا۔

”لیکن اس وقت وہ بالکل ہوش میں ہے۔“حمید بولا۔

”اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خاص خاص اوقات میں اس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اور وہ اپنی اِس کیفیّت سے واقف بھی معلوم ہوتا ہے۔ اِسی لیے اُس نے اپنے نِجی معاملات میں دخل اندازی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔“

”یہ اور زیادہ حیرت انگیز بات ہے۔“

”اتنی ہی حیرت انگیز جتنی اس لومڑی اور خوفناک کُتّے کی لڑائی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”ڈاکٹر وحید نے یہ بھی کہا تھا کہ اس انجکشن کا اثر وقتی تھا۔“

”بہرحال اس وقت ہم لوگ تین احمقوں کے چکّر میں پھنس گئے ہیں۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”ابھی دیکھیے اور کتنوں کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اگر کہیں کرنل کی بیوی بھی ایسی نکلی تو مزہ ہی آجائے گا۔“

”اب دیکھو پولیس پر اس کا کیا ردِّ عمل ہوتا ہے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اب تک پولیس کو اس کی گُمشدگی کی اطلاع ہو چکی ہو گی۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن اِسے بند کر رکھنے سے کیا فائدہ۔“

”اُن لوگوں کو حیرت زدہ کرنا جنھوں نے اِس کی لڑکی کو غائب کیا ہے۔“ فریدی

بولا۔

"مگر آپ تو اِس سے ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے اِسی نے یہ حرکت کی ہو۔" حمید نے کہا۔ "بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ابھی میں بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔"

"ابھی آپ نے لومڑی اور اس عارضی اثر رکھنے والے انجکشن کے بارے میں کہا تھا۔ آپ کا یہ خیال ہے کہ کل رات کو ان ڈاکٹروں میں سے کوئی کرنل سعید کے یہاں آیا تھا۔"

"بہت ممکن ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ ساری کڑیاں ایک ہی سلسلے کی معلوم ہوتی ہیں بس انہیں ملانا ہے۔"

"بس ملاتے جائیے کڑیاں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "اللہ نے آپ کی قسمت میں یہی لکھ دیا ہے۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کی آمد کی اطلاع

ملی۔

"لیجیے۔" حمید بولا۔ "آ گئے برخوردار بُلند اقبال کرنل سعید کی گمشدگی کی اطلاع لے کر۔"

"آؤ بھئی آؤ۔" فریدی جگدیش کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولا۔

جگدیش دونوں سے مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔

"میں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔" جگدیش بولا۔

"تو اب کر لو۔" فریدی بولا اور نوکر کو آواز دے کر ناشتہ لانے کو کہا۔

"ایک نئی مصیبت۔" جگدیش بولا۔

"کیا کرنل سعید نے اپنے کُتّے کو کاٹ کھایا۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

جگدیش بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اماں کیا حمید بھائی تم بعض اوقات بے موقع ہنسا دیتے ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کرنل سعید غائب ہو گیا۔"

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"یہ تو مُجھے معلوم نہیں لیکن وہ گھر پر موجود نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ارے بھئی کہیں چلا گیا ہو گا۔ کوئی دودھ پیتا بچّہ ہے کہ غائب ہو گیا۔"

"ارے نہیں صاحب۔۔۔ اس کی بیوی نے رپورٹ کی ہے۔ وہ رات اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اس کا ایک جوتا باغ میں ملا اور دوسرا غائب ہے۔“ جگدیش نے کہا۔

”لاحول ولا قوۃ۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کا ایک جوتا غائب ہے خواہ مخواہ کرنل سعید کو غائب کر دیا۔“

”نہیں بھائی۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اُس کی کسی سے باغ میں جدوجہد ہوئی جس کے نتیجے میں اس کا ایک جوتا باغ میں رہ گیا۔“

”تو کون سی مصیبت آ گئی۔۔۔ وہ جوتا باغ سے اُٹھا کر پھر بنگلے کے اندر لے جایا جا سکتا ہے۔“

”ارے یار مذاق چھوڑو۔“ جگدیش بولا۔ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی زبردستی اُٹھا کر لے گیا۔“

”بڑا نادر خیال ہے۔“ حمید بولا۔

”چُپ رہو بھئی۔“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ پھر جگدیش سے بولا۔

”وہ باغ میں کس طرح پہنچا۔ اس کی بیوی کے بیان سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ کڑی نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔“

”لیکن اس کی بیوی نے آج یہ بھی بتایا کہ اس پر وہ مجنونانہ کیفیّت ہر وقت طاری نہیں رہتی تھی۔ خصوصاً رات کے وقت اُس پر اِس قسم کا دورہ پڑتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رات کے کِس حصّے میں اُس کی یہ حالت ہو گی۔“

”بہر حال اُس کے گھر والوں کو چاہیے تھا کہ کم از کم رات ہی کو اس کی نگرانی کرتے۔“ فریدی بولا۔

”وہ تو ایک الگ سی بات ہے کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ اب یہ نئ مُصیبت کون سنبھالے گا۔“ جگدیش نے کہا۔

”جس کے سر پڑے۔“ حمید مُسکرا کر بولا۔

”پھر وہی۔“ فریدی نے اسے ڈانٹا۔

”بھائی حمید ہیں، بھلا اِن کی زبان کون روک سکتا ہے۔“ جگدیش نے ہنس کر کہا۔

”تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے۔“ فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

”یہی پوچھنے کے لیے تو حاضر ہوا ہوں کہ کیا ارادہ کروں۔“

”فی الحال یہ ارادہ کرلو کہ تم کُچھ نہ پوچھو گے۔“ حمید بولا۔

”خیر چلو۔۔۔!“ فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ اُس نے کپڑے پہنے اور جگدیش کے ساتھ باہر جانے کے لیے تیّار ہو گیا۔ ابھی وہ دونوں بر آمدے ہی میں تھے کہ حمید بھی تیّار ہو کر آ گیا۔

”تم کہاں چلے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جہاں آپ۔۔۔!“

”ہم تو کرنل سعید کے یہاں جا رہے ہیں۔“ جگدیش نے کہا۔

”کرنل سعید کی بیوی میری رشتہ دار ہوتی ہے۔“ حمید نے لاپروائی سے کہا۔

”میں تمہاری رشتہ داریاں خوب سمجھتا ہوں۔“ جگدیش ہنس کر بولا۔

فریدی کی کار کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔

کرنل سعید کے پائیں باغ میں دو سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبل بیٹھے نوکروں کے بیانات لے رہے تھے انہیں دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔

"کوئی خاص بات۔" جگدیش نے ایک سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

یہ تینوں انہیں وہیں چھوڑ کر بر آمدے میں آئے جہاں کرنل سعید کی بیوی بیٹھی کرنل سعید کے چند دوستوں کو اُس کی گُمشدگی کے متعلّق بتارہی تھی۔

"معاف کیجیے گا۔" جگدیش نے کہا۔ "ہم ایک بار پھر آپ کو تکلیف دینا چاہتے ہیں۔"

"فرمایئے۔" کرنل کی بیوی اُٹھتی ہوئی بولی۔

"ہم کرنل صاحب کے سونے کا کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور۔۔۔!" کرنل کی بیوی نے کہا پھر اپنے مہمانوں سے معذرت کرنے کے بعد فریدی وغیرہ کے ساتھ ہولی۔

یہ لوگ کرنل کے سونے کے کمرے میں آئے جو بہت ہی فراخ دِلی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر زیادہ تر نیم عریاں تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک آدھ جگہ جنسی معلومات سے متعلّق چارٹ بھی لٹکے ہوئے تھے۔ فریدی متجسّس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ مسہری کے قریب آیا۔

"اوہ۔۔۔!" اس کے منہ سے بے اختیّار نکلا اور اس نے سرہانے رکھی ہوئی ایک سرنج اُٹھالی۔ پھر کرنل کی بیوی کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے کُچھ کہنے کے لیے سوچ رہا ہو۔

"کیا اس سرنج کے متعلّق کُچھ پوچھ سکتا ہوں؟"

"ہاں وہ اکثر اپنی ہاتھ سے خود ہی انجکشن لیا کرتے تھے۔" کرنل کی بیوی نے کہا۔

"کس قسم کا انجکشن۔۔۔!"

”دردِ گُردہ کے۔“ اس دوران میں فریدی سرہانے رکھا ہوا تکیہ ہٹا چکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی، جس میں کوئی سفید سیال شے بھری ہوئی تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”مُجھے علم نہیں۔“

فریدی سوچنے لگا۔

”کیا وہ کسی کے زیرِ علاج تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں۔“

”ان کا کوئی ڈاکٹر دوست تھا۔“

”کوئی نہیں۔“

”کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا دوست ان سے ملنے کے لیے آتا تھا جو

ڈاکٹر ہو۔“

کرنل سعید کی بیوی چونک پڑی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی بدلتی ہوئی حالت پر قابو پالیا۔

”میرے خیال سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔“ وہ بولی۔

”تو کیا کرنل صاحب کسی ڈاکٹر سے مشورہ لیے بغیر ہی انجکشن لے لیا کرتے تھے۔“

”نہیں آج سے دو سال قبل کسی ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا تھا۔“

”کل رات یہاں کون کون آیا تھا۔“

”ایک تو انسپکٹر صاحب۔“ وہ جگدیش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”اور ایک صاحب انہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔“

”اِن کے علاوہ۔“

”اِن کے علاوہ کوئی باہری آدمی یہاں آیا ہی نہیں۔“

”اُن کا دماغ کب سے خراب تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ بچّی کے غائب ہونے کے بعد ہی ان کی یہ حالت ہو گئی تھی۔“

”آدمیوں کو بھی تنگ کرتے رہے ہوں گے۔“

”ہرگز نہیں۔“ کرنل کی بیوی بولی۔ ”میں نے اکثر رات میں انہیں صرف کُتّوں پر جھپٹتے دیکھا ہے۔“

”رات کے کِس حصّے میں۔“

”ایک رات تقریباً تین بجے اِتّفاقاً میری آنکھ کھُل گئی۔ پائیں باغ میں شور سُن کر میں نے کھڑکی سے جھانکا، باہر اندھیرا تھا۔ لیکن پھر بھی مُجھے ایسا معلوم ہوا جیسے دو کُتّے لڑ رہے ہیں۔ ہمارے کُتّے آپس میں کبھی نہیں لڑتے، میں سمجھی شاید کوئی باہری کُتّا آ گیا ہے۔ میں نے ٹارچ اُٹھا کر باہر روشنی ڈالی، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ ایک تو ہمارا کُتّا تھا اور دوسرے خود کرنل

صاحب ہیں۔ وہ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اُچھل اُچھل کر کُتّے پر حملہ کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ بالکل کُتّے جیسی آواز میں بھونکے جا رہے تھے۔ میں نے نوکروں کو جگایا۔ وہ کسی نہ کسی طرح انہیں اندر اُٹھا لائے۔ وہ اُس وقت ہوش میں نہ تھے۔ بہر حال میں نے اُس دِن سے اِن کی کافی نگرانی شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ رات کو کسی نہ کسی طرح کمرے سے باہر نکل ہی جاتے تھے۔ کل رات بھی شاید وہ باہر نکل گئے۔ پھر معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آیا۔"

"آپ کی دانست میں اُن کا کوئی دُشمن تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کے متعلّق میں کُچھ نہیں کہہ سکتی۔ فوجیوں کو تو آپ جانتے ہیں۔ کرنل صاحب بہت اکھڑ آدمی ہیں۔ اس لیے اگر انھوں نے کُچھ دُشمن پیدا کر لیے ہیں تو یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ لیکن میں یہ نہ بتا سکوں گی کہ اُن کا دُشمن کون ہے۔ ایسے تو جتنے بھی اُن کے ملنے کے لیے آتے ہیں سبھی اُن کے جگری دوست معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی کے استفسار پر کرنل کی بیوی نے کئی ایسے لوگوں کے نام اور پتے لکھوائے جو اُس کے گھر آیا کرتے تھے، لیکن اُن میں ڈاکٹر وحید کا نام نہیں تھا۔ فریدی کُچھ سوچنے لگا۔ حمید غور سے کرنل کی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی دِلی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی اس سے چند اور سوالات کرنے کے بعد واپس جانے کے لیے تیّار ہو گیا۔ سرنج اور شیشی کرنل کی بیوی کی اجازت سے اس نے اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔

جگدیش وہیں رہ گیا۔ حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

”مُجھے تو اس عورت پر شُبہ ہے۔“ حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ کُچھ سوچ رہا تھا۔

”آوارہ معلوم ہوتی ہے۔“ حمید پھر بولا۔

”کیوں؟ آوارہ کیوں معلوم ہوتی ہے۔“

”اس لیے اس کے بائیں پیر کی چھوٹی انگلی کے پاس والی انگلی تناسب کے اعتبار سے چھوٹی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بقیہ انگلیوں کی سطح سے کُچھ اونچی ہو۔“

”کیا فضول بکواس ہے۔“ فریدی کُچھ اُکتا کر بولا۔

”صدیوں کے تجربات کا نچوڑ پیش کر رہا ہوں۔“

”بکو مت۔۔۔!“

”اور جب وہ خاموش ہوتی ہے تو اُس کے ہونٹ کھُل جاتے ہیں اور دانت دِکھائی دینے لگتے ہیں۔“

”تو پھر اس سے کیا۔“

”اور مُسکراتے وقت اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”آسکر وائلڈ نے لکھا ہے کہ یہ نُطفہ نا تحقیق ہونے کی علامت ہے۔“

فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ابھی تک تو وہ خود آوارہ تھی اور اب تُم اُس کی ماں کی آوارگی ثابت کرنے بیٹھ گئے۔ فضول بکواس کر کے میرا دماغ مت خراب کرو۔"

"ایسی باتوں سے دماغ روشن ہوتا ہے۔"

"پھر وہی۔"

"تندرستی اچھی رہتی ہے۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں نہیں اُڑتیں۔ سر نہیں چکراتا، آنکھوں کی کھوئی ہوئی روشنی واپس آجاتی ہے۔ دانت مضبوط اور چمک دار ہو جاتے ہیں۔ خواب صاف دکھائی دیتے ہیں، آدمی بھُوت پریت کے سائے سے محروم رہتا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔!"

"ارے بابا بند کرو۔۔۔ یہ بکواس۔" فریدی اُکتا کر بولا۔

پھر احمقوں میں

حمید خاموش ہو گیا۔ کار تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ سڑک کے پُر رونق بازار چھوڑتی ہوئی وہ ایک سنسان سڑک پر مڑ گئی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"جھریالی۔۔۔!"

"کیوں؟"

"ڈاکٹروں سے ملنے۔"

”لاحول ولا قوۃ خواہ مخواہ وقت برباد کریں گے آپ۔۔۔!“

”فضول بکواس مت کرو۔“ فریدی بولا۔

”تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کرنل سعید کو پاگل بنانے میں انہیں کا ہاتھ ہے۔“

”یہ میں اس وقت سمجھ سکتا تھا جب سعید قطعی پاگل ہوتا ہے۔“

”تو کیا آپ کو اس کے قطعی پاگل ہونے میں شُبہ ہے۔“

”قطعی پاگل ہونے سے میری مراد ہر وقت کی بے ہوشی ہے۔“ فریدی بولا۔ صرف رات ہی کو وہ کیوں پاگل ہو جاتا ہے۔“

”بہت ممکن ہے کہ خود انہوں نے اِسے کوئی ایسی دوا دی ہو جس کا وقتی اثر یہ ہوتا ہے۔“

”یہی سب دیکھنے کے لیے چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آخر وقتی طور پر اسے پاگل بنا دینے کا کیا مطلب ہے۔“

”کُچھ عجیب اتّفاق ہے کہ مُعاملہ لڑکی کی تلاش سے شروع ہو کر باپ کے پاگل پن پر ختم ہو گیا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں مُعاملہ ختم کہاں ہوا۔ وہ تو اب شروع ہوا ہے۔“

”وہ انشاء اللہ زندگی بھر اسی طرح شروع ہوتا رہے گا۔“

”تم احمق ہو، جہاں ذراسی محنت پڑی جان نکلنے لگی۔“ فریدی نے کہا۔

”اسے آپ ذراسی محنت کہتے ہیں۔“

”دیکھو خواہ مخواہ بک بک کرتے رہنے کی عادت اچھی نہیں۔“

”معاف کیجیے گا۔۔۔ میری یہ بک بک آپ کی کامیابیوں کی ذمّہ دار ہے۔“ حمید بولا۔

”بہت اچھے! بڑی شاندار بکواس ہوتی ہے آپ کی۔ کاہل اور کام چور عورتوں کی سی باتیں کرتے ہو۔“

”عورتوں۔۔۔ ہائے۔۔۔ عورتوں۔۔۔ ذرا ایک بار پھر کہیے۔“ حمید سینے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”اگر اِسی طرح عورت افزائی کرتے رہے تو کیوں مجھے اُکتانا پڑے۔“

”پھر وہی عورت۔“ فریدی جل کر بولا۔ ”اگر یہی عالم رہا تو ایک دِن تم خود عورت ہو جاؤ گے۔“

”اور آپ اس وقت کہاں ہوں گے "حمید نے پوچھا۔

”جہنّم میں۔“

”تو گویا نعوذ باللہ۔“

”خاموش رہو۔۔۔ ورنہ میں تمہارا سر اسٹیئرنگ سے لڑا دوں گا۔“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

”اچھا پھر اس کے بعد آپ کہاں ہوں گے۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت اسے سچ مچ حمید کی بے تُکی بکواس بہت کِھل رہی تھی۔

حمید بھی شاید سمجھ گیا تھا اِس لیے اُس نے بالکل خاموشی اختیّار کر لی۔ فریدی کار کی رفتار لمحہ بہ لمحہ تیز کرتا جارہا تھا۔

جھریالی پہنچ کر فریدی نے کار کچّے راستے پر اُتار دی۔ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ کر کار رُک گئی۔ کل ہی والا پہرے دار آج بھی پھاٹک پر بیٹھا ہوا تھا۔ فریدی کو کار سے اُترتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"سلام صاحب۔"

"سلام! ذرا یہ کارڈ اندر بھجوادو۔" فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

پہرے دار نے کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی اندر سے آیا اور اس نے کارڈ اسے دے دیا۔

فریدی اندر بُلا لیا گیا۔

دونوں ڈاکٹر لیبارٹری میں کوئی تجربہ کر رہے تھے۔ انہوں نے فریدی کو وہیں بلا لیا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچے اندر سے کسی شیر خوار بچّے کے رونے کی آواز آئی اور اندر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ آواز ایک خرگوش کے مُنہ سے نکل رہی تھی جسے ڈاکٹروں نے ایک مشین میں لگے ہوئے پنجرے میں بند کر رکھا تھا۔ حمید کو بے اختیّار ہنسی آگئی۔

"اوہ آپ۔" وحید نے چونک کر کہا۔ "شاید کل بھی تو آپ آئے تھے، لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں۔"

"اس قسم کا کوئی موقع ہی نہیں آیا تھا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میں ایک تکلیف دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

”فرمائیے۔“

فریدی نے وہی شیشی نکالی جو اس نے کرنل سعید کے بستر پر پائی تھی۔

”میں اس سیّال کا تجزیہ چاہتا ہوں۔“

”بس اتنی معمولی سی بات، میں تو سمجھا تھا کہ شاید آپ کوئی بڑی خدمت مُجھ سے لینے والے ہیں۔“ ڈاکٹر وحید نے مُسکرا کر کہا۔

فریدی نے شیشی اُسے دے دی اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لینے لگا۔

ڈاکٹر وحید کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کے آثار نہ تھے۔ اس نے نہایت اطمینان سے شیشی کا عرق ایک ٹیسٹ ٹیوب میں اُنڈیلا اور اس میں کُچھ دوسری چیزیں ملا کر اسپرٹ لیمپ پر گرم کرنے لگا۔

دفعتہً تھوڑی دیر بعد اس کے مُنہ سے عجیب قسم کی آواز نکلی اور وہ گھوم کر تحیّر آمیز انداز سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ چیز آپ کو کہاں سے ملی۔“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”یہ کیا ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”میرا دعویٰ تھا کہ اس کا راز صرف میں ہی جانتا ہوں مگر۔۔۔!“ وہ پریشانی کے لہجے میں بولا۔

”یعنی۔۔۔!“

”آپ کو یہ کہاں سے ملا۔۔۔؟“

”کرنل سعید کے یہاں۔۔۔!“

”کرنل سعید کے یہاں۔“ ڈاکٹر وحید نے اُچھل کر کہا۔

”جی ہاں۔“

”تو وہ حضرت اِسے یہیں سے چُرا کر لے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر وحید بے ساختہ بولا۔

”آپ اسے جانتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اچھی طرح۔۔۔وہ میرے زیرِ علاج ہے۔“

”کس چیز کا علاج کر رہے ہیں آپ۔“

”جنسی کمزوری کا۔“

”اوہ! لیکن اس شیشی میں کیا چیز تھی۔“

”ہمارا ایک نامکمّل تجربہ۔“ ڈاکٹر وحید نے کہا۔ ”یہ بھی جنسی کمزوری ہی کی ایک دوا ہے۔ لیکن ابھی اس قابل نہیں کہ اِسے کسی آدمی پر استعمال کیا جاسکے۔“

”شاید آپ کو یہ سُن کر تعجّب ہو کہ اسے ایک آدمی استعمال کر تا رہا ہے۔“

”کون۔۔۔!“

”کرنل سعید۔“

”ارے۔۔۔مُجھے اس کا علم ہی نہیں۔ تو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔۔۔؟“

”نتیجے ہی کے سِلسِلے میں مُجھے یہاں آنا پڑا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کرنل سعید کے

پاگل پن کی داستان دہرادی۔ ڈاکٹر وحید کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔

"اوہ۔۔۔ تب تو میرا تجربہ سو فیصدی کامیاب رہا۔" ڈاکٹر حمید مسرّت آمیز لہجے میں بولا۔

"مگر یہ ہے کیا بلا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ کُتّوں کی جنسیت کے بارے میں تو جانتے ہی ہوں گے۔" ڈاکٹر وحید بولا۔

"اسی طریقے کو سامنے رکھ کر ہم کُتّے کے غدود کے انجکشن کے سلسلے میں تجربہ کر رہے تھے۔ ہم نے دوا تو تیّار کر لی تھی لیکن ابھی تک اطمینان نہیں ہوا تھا۔ کرنل سعید نے ہماری یہ مشکل بھی دور کر دی۔ اگر وہ پندرہ دِن تک متواتر اسے استعمال کرتا رہا تو آپ جانتے ہیں کیا ہو گا۔۔۔ وہ پھر سے جوان ہی نہیں بلکہ نوجوان ہو جائے گا۔"

"بشرطیکہ اِس دوران میں اس کی ملک الموت سے ملاقات نہ ہو گئی ہو۔" حمید بے

ساختہ بولا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”وہ اِسی پاگل پن کے عالم میں کل رات کہیں غائب ہو گیا۔“ فریدی نے کہا۔

”غائب ہو گیا۔“ وحید کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”خیر فکر کی بات نہیں۔۔۔ یہ پاگل پن عارضی ہوتا ہے اسے جب بھی ہوش آئے گا وہ واپس آجائے گا۔“

”لیکن اسے یہ دوا ملی کیسے؟“

”میری حماقت کی وجہ سے۔“ وحید بولا۔ ”میں نے دراصل اُسے اپنے اس تجربے کے متعلّق بتادیا تھا اور یہ دوا بھی دِکھادی تھی جو ایک بوتل میں رکھی ہوئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے اسے یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ ابھی قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ بڑھاپے میں کسی جوان عورت سے شادی کر لینا خطرناک ہوتا ہے۔ کرنل کی بے صبری نے اُسے یہ دِن دکھایا۔ اس نے مُجھ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں اس کا تجربہ اسی پر کروں لیکن میں خواہ مخواہ کا خطرہ

مول لینے کے لیے تیّار نہ تھا، آخر وہ اسے چُرا ہی لے گیا۔"

"آپ اکثر و بیشتر اس کے گھر بھی جاتے رہے ہوں گے۔"

"ہاں اکثر اتّفاق ہوا ہے، جب کبھی شہر جاتا ہوں اگر وقت ہوتا ہے تو اس سے ضرور مل لیتا ہوں۔ آدمی دلچسپ ہے۔"

"اس کی لڑکی کے متعلّق تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ واقعی افسوس ناک حادثہ ہے۔"

"اور اب وہ خود بھی غائب ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی عزیز اس کی دولت کے لالچ میں ایسا کر رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کی بیوی کی جان بھی خطرے میں ہے۔"

"بہت ممکن ہے، اس قسم کے سینکڑوں واقعات سُننے میں آتے ہیں۔" وحید بولا۔

"کل میں آپ کی تجربہ گاہ کے سب شُعبے نہیں دیکھ سکا۔" فریدی نے کہا۔

”تو آج ہی دیکھ لیجیے۔۔۔ ہمیں خوشی ہو گی۔“ڈاکٹر وحید بولا۔

”پہلے بچّوں کی طرح رونے والے اس خرگوش کا ماجرا بیان کیجیے۔“حمید نے کہا۔

”یہ بھی بالکل نیا تجربہ ہے۔“ ڈاکٹر وحید مُسکرا کر بولا۔ ”ہمارا خیال ہے کہ آدمیوں کی فطرت بدلی جا سکتی ہے۔ اس سِلسلے میں ابھی ہم جانوروں پر تجربہ کر رہے ہیں۔“

”صاحب واقعی ہمارے ملک میں آپ لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ یقیناً آپ سائنس کی دُنیا میں ہمارا سر اُونچا کریں گے۔“فریدی بولا۔

”آیئے۔۔۔ میں آپ کو بقیہ شُعبے دِکھاؤں۔“ڈاکٹر وحید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھیے۔۔۔ یہ ہمارا ننھا سا بجلی گھر ہے جس سے ہم اپنی ضرورت کے مطابق بجلی پیدا کر لیتے ہیں۔ یہاں اس کمرے میں ادویات رکھی جاتی ہیں اور آیئے ادھر تشریف لایئے۔ جی ہاں یہ نباتات کا کمرہ ہے۔ یہاں دُنیا کے سارے ممالک کی کار

آمد نباتات کے نمونے ہیں۔"

"کیا آپ نے شیر بھی پال رکھے ہیں۔" دفعتہً حمید نے چونک کر پوچھا۔ اُسے ابھی ابھی ایک خوفناک گرج سُنائی دی تھی۔

"جی ہاں۔۔۔اس سامنے والی عمارت میں درندے ہیں۔"

"تو کیوں نہ لگے ہاتھ اُن کو بھی دیکھ لیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن مُجھے افسوس ہے کہ آپ انہیں قریب سے نہ دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی تک وہاں کٹہروں کا انتظام نہیں ہو سکا۔ درندے کمروں میں بند ہیں۔ خود ہم لوگ بھی اُدھر بہت کم جاتے ہیں۔"

"یہ چیز تو خطرناک ہے۔"

"کیا کِیا جائے۔۔۔ حکومت نے کٹہروں کا وعدہ تو کیا ہے، دیکھیے کب تک ملتے ہیں۔" ڈاکٹر وحید بولا۔

"گھبرایئے نہیں آپ کو بہت جلد کٹہرے بھی مل جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے۔"

"میں ایک رپورٹ پیش کر دوں گا کہ موجودہ حالت میں درندوں کا رکھنا خطرناک ہے۔" فریدی بولا۔

"ہم آپ کے انتہائی ممنون ہوں گے۔"

"لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ شیر رکھتے ہی کیوں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ان سے ہم بُزدلوں کو شیر بنانے میں مدد لیتے ہیں۔" ڈاکٹر وحید نے کہا۔

"یعنی۔۔!"

"شیر کے غدود کے انجکشن۔۔۔!"

"ہاں صاحب۔۔۔ اگر آپ کسی کو گدھے کے غدود کے انجکشن دیں تو کیا ہو۔" حمید نے مُسکرا کر پوچھا۔

"تو وہ آپ کی طرح فضول بکواس کرنے لگے گا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

ڈاکٹر وحید ہنسنے لگا۔

"اچھا ڈاکٹر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے مُصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" وحید نے کہا۔ "مُجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا۔"

فریدی اور حمید کار پر بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کیوں حمید کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اِن لوگوں پر کسی قسم کا شُبہ کرنے کو دِل نہیں چاہتا۔" حمید بولا۔

"کیوں۔۔۔؟"

"بے چارے نے سب کُچھ صحیح صحیح تو بتا دیا۔"

”خیر اس کا علم تو مُجھے کرنل سعید سے گفتگو کرنے کے بعد ہی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں کا ذمّہ دار خود ہے۔“

”تو پھر یہاں تک دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”محض اپنے اطمینان کے لیے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی اور خاص بات تُم نے مارک کی۔“

”کوئی نہیں۔۔۔ مُجھے تو کوئی خاص بات نہیں دِکھائی دی۔“

”اس لیے تو کہتا ہوں کہ تم کبھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا تم نے یہ چیز نوٹ نہیں کی کہ ڈاکٹر وحید کو تو کرنل سعید کے گھر جانے کا اقرار ہے لیکن کرنل کی بیوی اِس سے اِنکار کرتی ہے۔“

”اوہ۔۔۔ تو پھر۔۔۔ آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔“

”یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا نتیجہ اخذ کروں۔“

"بہر حال یہ چیز تو ظاہر ہو گئی کہ کرنل کے پاگل پن اور اُس کی بیٹی کی گمشدگی میں کوئی تعلّق نہیں۔ اب یہ بتایئے کہ کرنل کا کیا ہو گا۔"

"جب تک اس کی لڑکی کے متعلّق نہ معلوم ہو جائے اسے تہہ خانے ہی میں رکھوں گا۔"

"مگر یہ چیز ہے خطرناک۔۔۔!" حمید نے کہا۔ "فرض کیجیے اگر اُس کے متعلّق آپ کو کُچھ نہ معلوم ہو سکا تو کیا ہو گا۔"

"وہ تو اب معلوم ہو کر ہی رہے گا۔" فریدی نے پُر اطمینان لہجے میں کہا۔

حمید کُچھ سوچنے لگا۔ دفعتہً اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ شاید اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال پیدا ہوا تھا جسے وہ ایک ناتجربہ کار بچّے کی طرح فوراً ہی اُگل دینے کے لیے بے تاب ہو گیا تھا۔

"کرنل سعید کی بیوی کی غَلَط بیانی کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔

"وہ کیا۔"

”نسوانی شرم۔۔۔کرنل سعید اپنی جنسی کمزوری کا علاج کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر وحید سے پوچھ گچھ کی جاتی۔ اس لیے اس نے اس کا نام لینا مناسب نہ سمجھا ہو گا۔“

”کوڑی تو تُم بہت دُور کی لے آئے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس چیز کو بھی پیش نظر رکھو کہ کرنل کے پاگل پن کی اطلاع خود اُسی نے پولیس کو دی تھی۔ اگر وہ چاہتی تو اُسے بھی چھُپا لیتی۔ کیونکہ کرنل اِس دوا کو اُسی وقت استعمال کرتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ گھر کے سب لوگ سو رہے ہیں۔“

”آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ کرنل نے دوا چرائی تھی۔ ممکن ہے اُس کی بیوی کو بھی اِس کا عِلم نہ رہا ہو۔ اِسی لیے اُس نے کرنل کی حرکتوں کو پاگل پن ہی سمجھا ہو۔“ حمید نے کہا۔

”بھئی تم آج بہت عقل مندی کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”پیٹھ ٹھونکیے اس بات پر۔“

فریدی نے ایک گھونسہ حمید کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

”کار سنبھالیے۔۔۔کار۔۔۔!“حمید چیخا۔

کار سچ مچ اس دفعہ ایک تناور درخت کی طرف گھوم گئی تھی۔ لیکن فریدی نے بڑی پھُرتی سے اسٹیئرنگ گھما کر کار کو سڑک پر لگا دیا۔

دفعتاً ایک ٹرک کار کے پیچھے سے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ٹرک کافی تیز رفتاری کے ساتھ جارہا تھا۔

”حمید۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا۔

”یہ تو وہی ٹرک ہے۔“

”کون سا۔“

”وہ جو کل دیکھا تھا جس کے ڈرائیور نے نمبروں کی تختی بدلی تھی۔“ فریدی نے کہا اور کار کی رفتار کُچھ تیز کر دی۔

ٹرک پر بانس کے گٹھے لدے ہوئے تھے۔ فریدی کی کار اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

"نکال لے چلیے۔" حمید بولا۔

"عجیب احمق ہو۔۔۔ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل جانے دوں۔"

"ابھی مسئلہ حل نہیں ہوا اور دوسرے میں ٹانگ اڑا دی گئی۔"

"جتنے زیادہ معاملات ہوں اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"آپ کی مرضی۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ ٹرک جاتا کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے لوٹ آئیں گے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ٹرک اور کار کا فاصلہ برابر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ٹرک کا ڈرائیور آہستہ آہستہ ٹرک کی رفتار تیز کرتا جا رہا ہے۔ سڑک بالکل سُنسان تھی۔ اس لیے اسے کوئی خاص دقّت بھی

پیش نہیں آ رہی تھی۔

مزدوروں میں تکرار

ٹرک کے پیچھے کے حصّے میں جہاں خیموں کے ستون رکھے ہوئے تھے دو قوی ہیکل گورکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ٹرک کے جھٹکوں سے اِدھر اُدھر ہل جانے والے ستونوں کو سنبھالتے جارہے تھے۔ فریدی غور سے ان کی یہ حرکت دیکھتا رہا۔ پھر دفعتہً وہ حمید سے بولا۔

"کُچھ دیکھ رہے ہو۔ اِن ستونوں کے سِلسِلے میں اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔"

فریدی بولا۔ "ٹرک کی دیواریں کافی اُونچی ہیں اور ستون اُن کی سطح سے نیچے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ نہیں گر سکتے۔ پھر یہ احتیاط۔"

”ہاں۔۔۔ یہ چیز واقعی غور طلب ہے۔“ حمید بولا۔

”کیا خیال ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس انبار کے نیچے کُچھ معلوم ہوتا ہے۔“

”بہت مُمکن ہے۔“ حمید کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیوں نہ انہیں روک کر تلاشی لی جائے۔“

”احمق ہوئے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہمیں اِس کا حق کب پہنچتا ہے۔ اس قسم کی دھاندلی میں اُسی صورت میں کرتا ہوں جب سارے جائز ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو شروع سے میرا خیال ہے کہ ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ اور ستونوں کے کارخانے میں کوئی نہ کوئی تعلّق ہے۔“

”اِس کی وجہ۔“

”اِس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اِن دونوں عمارتوں میں بظاہر کوئی تعلّق معلوم نہیں ہوتا۔“

”یعنی۔۔۔!“

”آٹھ دس میل کے رقبے میں اِن دونوں عمارتوں کے علاوہ اور آبادی نہیں ہے۔“ فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔”ایسی صورت میں دونوں عمارتوں کے مکینوں کے ایک دوسرے سے کُچھ نہ کُچھ تعلقات تو ہونے ہی چاہیے۔“

”ضروری نہیں۔“حمید نے کہا۔

”انسانی فطرت کے لیے قطعی ضروری ہے۔“

”تو آپ مفروضات پر اپنی منطق کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہر قسم کی تحقیق مفروضات اور تشکیک ہی سے شروع ہوا کرتی ہے۔“ فریدی نے کہا۔”میں نے اپنے ایک خیال کا اظہار کیا ہے اور یہ دیکھنا تو بعد کی بات ہے کہ اس میں سچائی کہاں تک ہے۔“

”خیر صاحب معلوم ہو گیا کہ مہینوں سر مارنا پڑے گا۔“حمید بے دِلی سے بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ ایک گھنٹے میں ساری گُتھّیاں سُلجھ جائیں اور یہ بھی مُمکن ہے کہ ایک سال میں بھی کُچھ نہ ہو سکے۔ سُراغ رسانی کا انحصار تو محض اتّفاقات پر

ہے۔"

"اچھا اچھا ذرا کار کی رفتار کم کیجیے۔" حمید بولا۔ "ٹرک شاید اگلے موڑ پر گھومے گا، اُس کی رفتار کم ہو گئی ہے۔"

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ حمید کا کہنا سچ نکلا۔ ٹرک اُسی طرف مُڑ گیا لیکن اُس کی رفتار کم ہی رہی۔ پہلے کی نسبت اب وہ سڑک کے کنارے جا رہا تھا کار کو راستہ دینے کے لیے۔

"دیکھا شاید انہیں شُبہ ہو گیا ہے۔ بہر حال ہمیں اب گاڑی آگے نکال لے جانی چاہیے۔" فریدی نے کہا۔ "تم پچھلی سیٹ پر چلے جانا۔ ابھی نہیں، مُجھے گاڑی آگے نکال لے جانے دو۔ ٹرک پر نگاہ رکھنا۔"

فریدی اپنی کار ٹرک کے قریب سے نکال لے گیا۔ حمید پچھلی سیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ پشت پر لگے ہوئے شیشے سے وہ ٹرک کو دیکھ رہا تھا۔ ٹرک رُک گیا۔

"ٹرک رُک گیا۔" حمید بولا۔

"وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں ہم پر شُبہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ چند لمحوں کے بعد ٹرک حمید کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ ٹرک کہاں جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا جانوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ شہر میں کسی بیوپاری کے یہاں جائے گا۔"

"مُمکن ہے۔" حمید بولا۔

"کیفے ڈی فرانس کے سامنے ایک فرم ہے۔ بہت مُمکن ہے یہ ستون وہیں جا رہے ہوں۔ بہر حال اگر ہم کیفے ڈی فرانس میں لنچ کھائیں تو کیا حرج ہے۔"

"بھلا کھانے پینے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"مُجھے کوئی اُمّید نہیں۔ لیکن خیر مُمکن ہے میرا قیاس صحیح نکلے۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیفے ڈی فرانس کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنی کار ایک فرلانگ پیچھے ہی فٹ پاتھ سے لگا دی۔ کیفے میں وہ ایک کھڑکی کے پاس والی میز پر بیٹھے۔ یہاں سے وہ باہر کی طرف بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ سامنے ہی میسرز جی ایم استھانا خیموں کے تاجر کا گودام تھا۔ گودام کے احاطے میں جابجا بانسوں اور بَلّیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

فریدی نے لنچ کا آرڈر دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد حمید کے چہرے پر اُکتاہٹ کے آثار پائے جانے لگے۔

"شہر میں اور بھی بیوپاری ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ وہ یہیں آئے۔"

"قطعی ضروری نہیں۔ میں نے تُم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کے متعلّق مُجھے یقین نہیں ہے۔ ہم تو دراصل یہاں محض لنچ کھانے آئے ہیں۔ اگر اِس سِلسِلے میں کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے تو کیا کہنا۔"

”ارے۔۔۔!“ حمید جو سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر بولا۔ ”سچ مچ وہ رہا ٹرک۔“

ٹرک احاطے کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

”اب فرمایئے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

ٹرک جیسے ہی احاطے میں داخل ہوا دو تین مزدور اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ فریدی اور حمید لنچ ختم کر چکے تھے۔ فریدی نے بل ادا کیا اور دونوں کیفے سے نکل آئے۔ گودام کے احاطے کے قریب ایک پان والے کی دُکان تھی۔ حمید وہاں سے سگریٹ خریدنے لگا۔

مزدوروں میں اچھی خاصی تکرار شروع ہو گئی تھی۔ وہ مزدور جو ٹرک کا مال اُتارنے کے لیے دوڑے تھے اس بات پر مُصِر تھے کہ وہ ہی اِن ستونوں کو ٹرک پر سے اُتاریں گے۔ لیکن ڈرائیور انہیں اِس بات سے روک رہا تھا۔ ان کے بجائے ٹرک پر بیٹھے ہوئے گورکھوں نے ستون اُٹھا اُٹھا کر گودام کے اندر لے

جانے شروع کر دیے تھے۔

"واہ بھیّا۔۔۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ سارا دِن تو مال ہم نے ڈھویا۔" ایک مزدور ڈرائیور سے کہہ رہا تھا۔ "اور اب اِس وقت تُم اپنے مزدور لائے ہو۔"

"مالک کا یہی حکم ہے۔ میں کیا کروں۔" ڈرائیور بولا۔

"اچھا حکم ہے۔" مزدور نے کہا۔ "اگر یہی بات ہے تو اب ہم کسی مال میں ہاتھ نہ لگائیں گے۔"

"تو یہ سب تم مُجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔" ڈرائیور بولا۔ "منیجر سے جا کر کہو نا۔"

"اس سے پہلے جو مال لائے تھے اُسے آخر ہم نے ہی تو اُتارا تھا۔" ایک مزدور نے کہا۔

"اُتارا ہو گا پھر میں کیا کروں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

بالآخر تکرار اتنی بڑھی کہ خود منیجر کو آفس سے نکل کر آنا پڑا۔ اس نے ڈانٹ

ڈپٹ کر مزدوروں کو الگ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک خالی ہو گیا۔

"اس میں تو کُچھ بھی نہ تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ اب یہاں سے ہٹ چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دونوں اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کرتے رہے۔" حمید نے کہا۔

"خواہ مخواہ کیوں؟"

"کیا نکلا ٹرک میں۔"

"یہ تو اور دِلچسپ بات ہے۔"

"اپنی دلچسپیاں بس آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "خاکسار کے تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"مزدوروں کی تکرار سے تُم نے کیا اندازہ لگایا۔"

”بس تکرار تھی۔“

”لیکن لایعنی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ اس سے پہلے بھی اِس ٹرک کا مال اُتار چکے تھے آخر اِس بار اُنہیں اس سے کیوں محروم رکھا گیا۔“

”اچھا اب گھر چلیے۔۔۔!“ حمید نے اُکتا کر کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کبھی کبھی وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتا۔ اسی دِن دس بجے رات کو وہ کہیں جانے کے لیے تیّار ہو گیا۔ اس نے کار نکالی اور ایک طرف چل پڑا۔ وہ یوں ہی بلا مقصد شہر کی سڑکوں کے چکّر کاٹتا پھِر رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے وہ کرنل سعید کے بنگلے کے پاس سے گزرا۔

آگے لے جا کر کار کھڑی کر دی۔ پھر تین بار انجن کھولا اور بند کیا۔ غالباً یہ کسی قسم کا اشارہ تھا جس پر ایک آدمی تاریکی سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کار کے پاس آیا۔

”انسپکٹر صاحب۔“ آنے والے نے آہستہ سے کہا۔

”آؤ بیٹھ جاؤ۔۔۔!“

وہ فریدی کے برابر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

”کوئی خبر۔۔۔!“

”گیارہ بجے رات وہ کہیں گئی ہے۔“

”اکیلے۔۔۔!“

”نہیں۔“

”کون تھا اس کے ساتھ۔“

”ایک آدمی۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن میں اسے پہچانتا نہیں۔“

فریدی نے اپنی جیب سے دو تین تصویریں نکال کر اسے دیں۔

”اِن میں سے کوئی تھا۔“ فریدی نے کہا۔

وہ آدمی ٹارچ کی روشنی میں تصویر دیکھنے لگا۔

”یہ تھا۔۔۔ سو فیصدی یہی تھا۔“ اس نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہوں۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور تصویریں لے کر جیب میں رکھ لیں۔

”کوئی اور بات۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اور کُچھ نہیں۔“

”کرنل کی بیوی پر کسی خاص پریشانی کے اثرات۔“

”میں اُسے زیادہ قریب سے نہیں دیکھ سکا۔“

”اچھا۔۔۔!“ فریدی نے کار کو پھر کرنل سعید کے بنگلے کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

”ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا۔۔۔ تمہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کب اور کِس حالت میں گھر واپس آتی ہے۔“

”بہت اچھا۔“

”یہ لو۔“ فریدی نے اُس کے ہاتھ پر دس روپے کا نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ ”رات کا خرچ۔“

ایک عجیب اتّفاق

حمید بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"خیریت۔۔۔ خیریت۔" حمید نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔

'افّوہ۔۔۔ ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔" حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "کون سی آفت آگئی۔"

"کُچھ نہیں۔۔۔ چوہے کے بل سے جو ہاتھی نکلا ہے تمہیں دِکھانا چاہتا ہوں اور

اسی وقت تمہیں اس کا مہاوت بھی بناؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"یعنی۔۔۔!"

"آؤ میرے ساتھ۔" فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں دوسرے کمرے میں گئے۔ انہیں ستونوں میں سے ایک جو انہوں نے ٹرک پر پڑے دیکھے تھے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"خواہ مخواہ میری نیند خراب کی۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا تم مُجھے اتنا احمق سمجھتے ہو کہ میں خواہ مخواہ اِسے لاد کر یہاں لاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کُچھ بولیے بھی نا۔" حمید نے اُکتا کر کہا۔

"تم سُنتے کب ہو۔"

"اچھا سُن رہا ہوں۔"

"کیا تُم اِسے بانس کا بنا ہوا سمجھتے ہو۔" فریدی نے ستون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ذرا اِسے قریب سے دیکھو۔ اِس کی مصنوعی گانٹھوں پر نہ جاؤ۔۔۔"

حمید جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"واقعی کمال کر دیا۔" حمید اُٹھ کر بولا۔ "لیکن آخر اِس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بھلا اِس صنعت گری کو جُرم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر شیشم کی لکڑی کا ستون ایسا بنایا گیا جو بانس کا معلوم ہو تو کون سی مصیبت آ گئی۔ واقعی کاریگر نے کمال کر دیا ہے۔"

"لیکن یہ کمال دِکھانے کی ضرورت۔۔۔ ظاہر ہے کہ انہیں نمائش میں تو جانا نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گا صاحب کُچھ۔" حمید نے اُکتا کر کہا۔ "آپ تو خواہ مخواہ ہر چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔"

"اچھا اب اگر واقعی تم اس کمال کو دیکھنا چاہتے ہو تو وہ گلاس اٹھاؤ۔" فریدی نے کہا اور ستون کو اُٹھا کر زمین پر بیٹھتے ہوئے اُس نے اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ سِرے پر لوہے کے رِنگ چڑھے ہوئے تھے۔ فریدی نے انہیں گھمانا شروع کر دیا، دوسرے ہی لمحے میں رِنگ ایک ڈھکن سمیت ستون سے الگ ہو گئے اور کوئی سیّال شے ستون سے ٹپکنے لگی۔

"ارے۔۔۔!" حمید اُچھل کر بولا۔

"گلاس لگاؤ۔۔۔" فریدی نے کہا اور ستون کو جھکا دیا۔ گلاس بھر گیا۔ حمید حیرت سے اس کا مُنہ دیکھ رہا تھا۔

”کیوں قبلہ حمید صاحب کتنی نفیس شراب ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”اگر کوئی حرج نہ ہو تو تھوڑی سی چکھ کر دیکھیے۔“

حمید نے گلاس مُنہ میں لگا کر ہلکی سی چُسکی لی۔ فریدی نے ڈھکن بند کر کے ستون کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا۔

”واقعی بہت عمدہ ہے۔“ حمید بولا۔ ”مگر یہ دیسی تو نہیں معلوم ہوتی۔“

”سو فیصدی دیسی ہے۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”کہیے چوہے کے بل سے ہاتھی نکالا یا نہیں۔“

”مانتا ہوں استاد۔“ حمید نے کہا۔ ”اب مُجھے اِس کیس میں کُچھ نہ کُچھ دِلچسپی پیدا ہوئی ہے مگر یہ آپ کو مل کیسے گیا۔“

”کافی پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ مُجھے سو روپے میں ملا ہے اور جو خطرات مول لینے پڑے ہیں وہ الگ ہیں۔“

”یعنی۔۔۔!“ حمید نے کہا۔

”چوکیدار کو سو روپیہ رشوت دینی پڑی۔ میں نے اُس سے کہا کہ مُجھے ایک ستون کی سخت ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ صُبح کو وہاں سے خریدا جا سکتا ہے۔ میں نے سو روپیہ کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی میری حماقت پر کہ میں ایک ستون کے لیے اُسے سو روپے دے رہا ہوں۔ غالباً اُسے کُچھ شُبہ ہو گیا تھا۔ ابھی ہم لوگ اس گفتگو میں مشغول ہی تھے کہ وہاں ایک ٹرک آ کر رُکا، میں جلدی سے چھُپ گیا۔ اس پر سے دو آدمی اُترے۔ چوکیدار نے انہیں سلام کیا اور وہ اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہ ستون ڈھو رہے ہیں۔ انہوں نے چوکیدار کو بھی مدد کے لیے بُلا لیا۔ چوکیدار کو میں نوٹ دے چکا تھا۔ میں نے واقعی یہ ایک زبردست حماقت کی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ نہ تو اُس نے میرے غائب ہی ہو جانے پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار کیا اور نہ ان لوگوں سے میرے متعلّق کُچھ کہا۔ وہ لوگ بدستور اپنے کام میں مشغول رہے۔ چوکیدار نے مُجھے چھپتے دیکھ لیا تھا، تھوڑی دیر بعد وہ میرے پاس آ کر آہستہ سے بولا کہ میں اُن لوگوں کو باتوں میں لگاتا ہوں تم ٹرک میں سے ایک ستون اُٹھا

لے جاؤ۔ اس طرح میں اِسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید بولا۔

"گھسیارا بننے کا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید ہنسنے لگا۔

"میں مذاق کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ گھسیاروں کے بھیس میں جھریالی چلیں گے۔"

"آخر اس کی ضرورت۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ستون بنانے والے کارخانے میں دراصل شراب بنتی ہے۔ اگر ہم نے انہیں دھوکے میں ڈال کر چھاپا مارا تو وہاں سے کوئی چیز ہٹا بھی نہ سکیں گے۔ لہٰذا خواہ مخواہ گھاس چھیلنے سے کیا فائدہ۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مُجھے دونوں عمارتوں کا تعلّق دریافت کرنا ہے۔ اگر ہم نے اس سے قبل چھاپہ مارا تو ہمارا یہ حملہ ادھورا ہو گا اور شاید ناکام بھی۔"

دوسرے دِن صُبح جھریالی میں ستونوں کی فیکٹری اور ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ کے درمیان میں دو گھسیارے گھاس چھیل رہے تھے۔ قریب ہی ایک ٹوٹی پھوٹی سی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی جسے غالباً وہ گھاس لادنے کے لیے لائے تھے۔ یہ دونوں حمید اور فریدی تھے۔

''ٹھیک ہی کہا تھا اُس نجومی نے۔'' حمید نے گھاس چھیلتے چھیلتے سر اُٹھا کر کہا۔

''کیا کہا تھا۔۔۔!'' فریدی نے پوچھا۔

''یہی کہ تم بی اے پاس کر کے گھاس چھیلو گے۔'' حمید نے کہا۔ ''آج میں اس کا معتقد ہو گیا۔''

''اور میں شروع سے معتقد تھا۔'' فریدی مُسکرا کر بولا۔

''آپ کو کیا معلوم۔''

''تُم نے اس محکمے میں گھاس چھیلنے کے علاوہ آج تک اور کیا ہی کیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

”یہ میرا عظیم ترین کارنامہ ہے کہ میری وجہ سے آپ اتنے مشہور ہو گئے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ یہ سارے کارنامے آپ کے ہیں۔ لیکن اب سے سو سال کے بعد کوئی نہ کوئی نیک نفس اس حقیقت پر سے پردہ ضرور اُٹھا دے گا جس طرح شیکسپیئر کے ڈراموں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔ ڈرامے لکھے بے چارے فرانس بیکن نے اور نام شیکسپیئر کا ہوا۔ اب ایک امریکن صاحبزادے نے نیا انکشاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ بیکن نے نہیں بلکہ مارلو نے لکھے ہیں۔ اسی طرح سو سال کے بعد میرا نام ہو گا اس کے بعد کوئی اللہ کا بندہ یہ ثابت کر دے گا کہ فریدی کے کارنامے حمید کے نہیں بلکہ انسپکٹر جگدیش کے رہینِ منّت ہیں۔“

”گھاس چھیلو میاں گھاس۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”اوقات پر رہو۔ شیکسپیئر بیکن اور مارلو کا تذکرہ کرنے سے کیا فائدہ۔ میں جانتا ہوں کہ تم اِن لوگوں کے بارے میں بہت کُچھ واقفیت رکھتے ہو یا پھر شاید تم اِس گھوڑے پر رُعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم دراصل گھسیارے نہیں بلکہ گریجویٹ ہو۔“

”عزّت افزائی کا شکریہ۔“ حمید نے کہا۔

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ چھوڑو ان باتوں کو، اب کیا دن بھر گھاس ہی چھیلتے رہیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم فیکٹری کی طرف بڑھو اور میں تجربہ گاہ کی سمت لیتا ہوں۔“

دونوں نے اپنے اپنے منہ پھر لیے۔ حمید پر رہ رہ کر جھلّاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ آخر اس حماقت کی کیا ضرورت تھی۔ مگر وہ بول ہی کیا سکتا تھا۔ کیونکہ بعد میں اسی کو احمق بننا پڑتا تھا۔ خیمے کے ستون ہی کے معاملے میں اسے کافی خِفّت اُٹھانی پڑی تھی۔ اس لیے فریدی کی اس اسکیم میں زیادہ دخل در معقولات کرنے کی ہمّت نہ پڑی۔ آہستہ آہستہ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لائے تھے۔ فریدی نے یہ طے کیا تھا کہ اگر دِن میں کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی تو وہ حمید کو گھوڑے گاڑی پر گھاس کے گٹھروں کے ساتھ شہر روانہ کر دے گا اور خود رات کو وہیں رہ کر کھوج لگانے کی کوشش کرے گا۔

دِن آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا۔ حمید بُری طرح تھک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر

ہلکی سی سیاہی دوڑ گئی تھی اور آنکھوں کے گرد مٹیالے رنگ کے حلقے نظر آنے لگے تھے۔ اس کے بر خلاف فریدی کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دفعتہً اس نے حمید کو آواز دی۔ حمید بے دلی سے تقریباً گھسٹتا ہوا اس تک پہنچا۔

"کیا آج ختم ہی کر دینے کا ارادہ ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ شاید اللہ تم پر بہت زیادہ مہربان ہے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"ہو گا صاحب۔۔۔ یہ بتایئے کہ آپ نے مُجھے بلایا کیوں ہے۔"

"اُدھر دیکھو۔" فریدی نے ایک گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ گڑھا شاید برساتی پانی کے ریلے کا نتیجہ ہے۔"

"دیکھ لیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا دیکھا۔۔۔؟"

"اللہ کی رحمت! فرشتے نظر آرہے ہیں۔ اس چھوٹے سے گڑھے میں دنیا آباد ہے۔ خلقت کا اژدہام ہے۔ کہیں مٹھائی والوں کی دُکانیں ہیں، کہیں کٹورے کھٹک رہے ہیں، لکھنؤ کے بانکے ہتھیار لگائے آئینہ بند اِدھر اُدھر خرمستیاں کرتے پھِر رہے ہیں، مدک، چرس اور گانجے کی دُکانوں پر کافی بھیڑ ہے، ذرابڑھ کر دیکھیے تو کہیں یہ کم بخت بغیر لائسنس کی چرس تو نہیں فروخت کر رہا ہے۔"

فریدی خاموشی سے سُنتا رہا۔ حمید کے چُپ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"بَک چکے۔"

"ابھی کہاں۔" حمید نے کہا۔ "ابھی تو تمہید تھی۔ اب شروع کرتا ہوں۔ جانا صاحب قران زمان کا طرف شہر بیسراں کے اور مارنا عنقویل دیو پرور کا اور زخمی ہونا لندھور بن سعد اُن کا ہاتھ سے پیر زادہ عبد الاوج بن غشق سنہٗ کے اور عشق فرمانا۔۔۔"

فریدی نے اُٹھ کر حمید کی گردن پکڑلی۔

”اب ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا اور میں نے تمہارا سر زمین پر مارا۔“ فریدی نے کہا اور اس کا مُنہ دبالیا۔

”اچھا چُپ ہو گیا۔“ حمید نے فریدی کی گرفت سے نکل کر کہا۔ ”بتایئے کیا بات ہے۔“

”اس گڑھے میں ایک موٹا سا پائپ گزرا ہے۔“

”پائپ۔۔۔!“ حمید نے گڑھے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔ ہے تو۔“

”اِس کا مطلب۔۔۔!“ فریدی نے استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بھلا پائپ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“ حمید ہنس کر بولا۔ لیکن فوراً ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ ”واقعی یہاں اِس ویرانے میں پائپ کا کیا مطلب۔“

”میونسپلٹی کی پائپ لائنوں کا نقشہ میرے ذہن میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ اور پھر جھریالی شہر سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں اِن دونوں عمارتوں

کے لیے تو میونسپلٹی پائپ دینے سے رہی۔“

”پھر۔۔۔؟“

”ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ میں شراب تیّار ہوتی ہے اور پھر اُسے اِسی پائپ لائن کے ذریعے فیکٹری میں پہنچایا جاتا ہے۔“

”ارے۔۔۔!“ حمید چونک کر بولا۔ ”مگر اِس کا ثبوت کیسے بہم پہنچائیں گی۔“

”اِسی کے لیے میں آج رات کو یہیں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

حملہ

دوسرے دِن فریدی گھر پہنچا اس کے بازوؤں اور ہاتھوں پر گہری خراشوں کے نشان تھے۔ کپڑے پھٹ گئے تھے۔ سر کے بال گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ حمید اُسے اِس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"کُچھ نہ پوچھو، دو خطرناک کُتّوں سے بڑی سخت جنگ کرنی پڑی۔" فریدی نے جواب دیا۔

”تو کیا آپ تجربہ گاہ میں گھُس گئے تھے۔“

”اس کا موقع ہی کہاں ملا۔ مُجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے کُچھ کُتّے باہر بھی چھوڑ دیتے ہیں جو رات بھر جھریالی کے سُنسان علاقے میں گھومتے پھرتے ہیں۔ رات ہوتے ہی میں ٹیلوں کے درمیان چھُپ گیا تھا۔ خیال تھا کہ بارہ بجے کے بعد عمارت میں گھُسنے کی کوشش کروں گا، مگر اُن کم بختوں نے وہیں آلیا، انہیں مارا بھی نہیں جا سکتا ورنہ پستول تو تھا میرے پاس۔ گولی چلنے کی آواز یقیناً اُنہیں ہوشیار کر دیتی۔“

”خیر اب آپ آدمی بنئیے۔۔۔ اس کے بعد اِس کے متعلّق کُچھ سوچا جائے گا۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے غسل کر کے لباس تبدیل کر لیا۔ حمید نے زخموں کی مرہم پٹّی کی۔ ناشتہ کرنے کے بعد دونوں لائبریری میں آبیٹھے۔

”اب کیا ارادہ ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

"اب چھاپہ مارنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔ رات کو چھُپ چھُپ کر تو وہاں جانا انتہائی ناممکن ہے۔ کیونکہ اُن کے کُتّے بہت خطرناک ہیں۔ چھاپہ مارنے کی صورت میں بھی ہمیں کافی احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ اگر انہوں نے وحشی درندوں کو کھول دیا تو بڑی مُشکل کا سامنا ہو جائے گا۔ کم از کم ایک سو مسلّح سپاہیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ فیکٹری اور تجربہ گاہ دونوں پر بیک وقت چھاپہ مارا جائے۔"

"واقعی وحشی درندوں کا مُقابلہ بڑا خطرناک ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ آزاد ہو گئے تو قیامت ہی آ جائے گی۔ وہاں شیر بھی ہیں۔ میں نے اُس دِن بھی شیروں کے دھاڑنے کی آواز سُنی تھی۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اُس نے ہمیں اُس عمارت کی طرف جانے سے روک کیوں دیا تھا؟ وہاں سے شیروں کے دھاڑنے کی آواز ضرور آئی تھی۔ لیکن یہ تو سوچو کہ انہیں ان کمروں میں کھانا وغیرہ کس طرح دیا جاتا ہو گا۔ دروازے کھولنے پڑتے ہوں گے اور یہ چیز کھانا دینے والوں کے لیے انتہائی

خطرناک ہے۔ میری سمجھ میں تو یہ چیز قطعی نہیں آتی۔"

"واقعی یہ بات قابلِ غور ہے۔" حمید نے کہا۔ "بند کمروں میں شیروں کو رکھنا ناممکن ہے۔ پھر کیا بات ہے۔"

"جو بات بھی ہے عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال ہمیں اِس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ اندر پہنچتے ہی کسی طرح شیروں والی عمارت پر قبضہ کر لیں۔"

"جگدیش سے گُفتگُو کی جائے۔" حمید بولا۔ "پہلے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اتنا انتظام کر سکے گا یا نہیں۔"

فریدی اور حمید کوتوالی جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ خود جگدیش وہاں آ گیا۔

"کہیے جناب کیا کوئی نئی مصیبت۔" جگدیش نے کہا۔ "آج ایس پی صاحب بہت زیادہ برہم ہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

”ارے صاحب نہ جانے کیوں آج کل یہاں وارداتوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔“

”کوئی نئی واردات ہوئی کیا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ کل رات کو کلائیو روڈ پر ایک ٹرک اُلٹ گیا۔“

”تو اس میں ایس پی صاحب کے بگڑنے کی کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ٹرک اُلٹنے کی ذمّہ دار پولیس تو ہو نہیں سکتی۔“

”یہ نہیں صاحب۔۔۔ اس کی تو کوئی بات ہی نہیں۔“ جگدیش نے کہا۔ ”اُس پر لکڑی کے گٹھّے لدے ہوئے تھے جِن میں شراب بھری تھی۔ ٹرک اُلٹنے سے کئی گٹھّے ٹوٹ گئے، اور شراب بہہ چلی۔“

”ٹرک پر کتنے آدمی تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”صرف ڈرائیور تھا، وہ اُسی وقت مر گیا۔“

”ٹرک کس کا تھا۔“

”یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔“

”کیوں، کیا نمبر کے ذریعے پتہ نہیں لگ سکا۔“

”اس نمبر کا کوئی ٹرک اس شہر میں آج تک رجسٹر ہی نہیں ہوا۔“

”ڈرائیور کے متعلّق معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے۔“

”نہیں۔۔۔یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔“

”اس کا حلیہ یاد ہے۔“

”جی ہاں۔“

”پھولی ہوئی ناک تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔لیکن۔۔۔کیا آپ نے دیکھا ہے۔“

”گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں۔۔۔ایک کا اوپری حصّہ تھوڑا سا کٹا ہوا، بائیں گال

پر ایک بڑا سا اُبھرا ہوا اِتل۔"

"بالکل یہی۔۔۔سو فیصدی یہی۔۔۔!" جگدیش بے صبری سے بولا۔

"میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ شراب کہاں بنتی ہے، اور کہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔!"

"تو کیا تُم انہیں پکڑنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" جگدیش چہک کر بولا۔

"بھلا بھائی جگدیش صاحب ڈی ایس پی بننے کی فکر نہ کریں گے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"نہیں بھائی ابھی اِس کی اہلیّت مُجھ میں نہیں پیدا ہوئی۔" جگدیش نے کہا۔
فریدی نے سارا ماجرا جگدیش سے بیان کر دیا اور اسے اپنی اسکیم بھی بتائی۔

جگدیش نے اُسی کے خیال کے مطابق انتظامات کرنے کا وعدہ کیا۔

جگدیش کو رُخصت کرنے کے بعد فریدی تہہ خانے میں آیا۔ کرنل سعید بہت زیادہ نڈھال نظر آ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا مُجھے عمر قید کی سزا دی گئی ہے۔" وہ غرّا کر بولا۔

"گھبرائیے نہیں کرنل صاحب، آپ بہت جلد چھوڑ دیے جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اِس وقت میں آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔"

کرنل سعید کُچھ بولنے کے بجائے فریدی کو گھورتا رہا۔

"میں ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے بارے میں کُچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کُچھ نہیں جانتا۔"

”دیکھیے کرنل صاحب ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر کہیے تو میں آپ کو وہ انجکشن والی دوالا دوں۔۔۔ مگر یہاں آپ کے لیے کُتّا نہ مہیّا کر سکوں گا۔“

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ڈاکٹر وحید کا وہ تجربہ بہت کامیاب رہا۔ اب آپ پھر سے جوان ہو سکیں گے لیکن دیکھیے اب کوئی دوا چرائیے گا نہیں۔“

”تُم آخر چاہتے کیا ہو۔“ کرنل عاجز آکر بولا۔

”ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے متعلّق کُچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔“

”کیا۔۔۔!“

”وہاں کتنے وحشی درندے ہیں۔“

”دیکھنے کا اتّفاق نہیں ہوا۔ البتّہ شیروں کی گرج ضرور سُنی ہے۔“ کرنل سعید نے کہا۔

”کیا ڈاکٹر وحید آپ کے گھر بھی آتا تھا۔“

”ہاں۔۔۔ آتا تھا۔“

”کیا اُسے اِس بات کی اطلاع تھی کہ آپ کہیں باہر جانے والے ہیں۔“

”کب کی بات پوچھ رہے ہو۔“ کرنل سعید نے کہا۔

”آپ کی لڑکی کی گُمشدگی کے زمانے کے قریب کی۔“

”ہاں، اُس دِن یاد آیا، وہ آیا تھا۔ شاید میں نے اس سے تذکرہ بھی کیا تھا کہ میں باہر جارہاہوں۔ لیکن تُم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ کب سے اُس کے زیر علاج تھے۔“

”تقریباً چھ ماہ قبل سے۔“

”اچھا شکریہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”معاف کیجیے گا۔۔۔ میں نے آپ کو یہاں لا کر

تکلیف دی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو آپ اپنے ہی کسی کُتّے کا شکار ہو جاتے اور اپنی ہوس کا شکار تو آپ ہی ہو گئے۔ کیوں جناب جب آپ اس قابل ہی نہیں تھے تو کسی جوان عورت سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں بے ہودگی پسند نہیں کرتا۔" کرنل سعید گرج کر بولا۔

"لیکن شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ ابھی آپ کو ایک ایسی بے ہودگی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ آپ زندگی میں موت کو ترجیح دینے لگیں گے۔" فریدی نے کہا اور تہہ خانے سے چلا آیا۔

اُسی دِن شام کو جگدیش نے چھاپہ مارنے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے۔ احتیاطاً ایک مشین گن بھی لے لی گئی تاکہ ضرورت پڑنے پر وحشی درندوں کا حملہ روکنے کے کام آئے۔ اندھیرا ہوتے ہی پولیس کی لاریاں جھریالی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ تجربہ گاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر لاریاں روک دی گئیں۔ پولیس کے جوان تاریکی میں آہستہ آہستہ دونوں عمارتوں کی طرف بڑھنے لگے۔

پولیس والے دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے تھے ایک ٹولی کا رُخ فیکٹری کی طرف تھا اور دوسری کا تجربہ گاہ کی طرف۔ تجربہ گاہ کی طرف جانے والی ٹولی کی قیادت فریدی کر رہا تھا۔ اور دوسری عمارت کی طرف بڑھنے والے حمید کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

تجربہ گاہ کی دیواروں کے قریب پہنچتے ہی کُچھ سپاہیوں نے عمارت کا محاصرہ کر لیا اور کُچھ فریدی اور کُچھ جگدیش کے ساتھ صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ صدر دروازہ ابھی کھُلا ہوا تھا۔ چوکیدار بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ فریدی پیچھے سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی، اس سے فرصت پانے کے بعد فریدی دوڑتا ہوا اندر گھُس گیا۔ اسی کے ساتھ پولیس والے بھی گھُسے۔ اندر پہنچتے ہی انہوں نے بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ فریدی نے جلد سے جلد اُس عمارت کی طرف پہنچ جانا مناسب سمجھا جہاں وحشی درندے تھے۔ وہ جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ عمارت کے مکین اُس غیر متوقّع حملے کے لیے تیّار نہ تھے۔ پہلے تو وہ یقیناً گھبرا گئے لیکن پھر انہوں نے بھی جوابی فائر کرنے

شروع کر دیے۔ دو ایک نے دیواروں پر چڑھ کر نیچے کود کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن باہر کھڑے ہوئے جوانوں نے انہیں باندھ لیا۔ ڈاکٹروں کے آدمیوں نے باقاعدہ مورچے بنا لیے تھے۔ وہ کمروں سے فائر کر رہے تھے۔ دفعتہً ساری عمارت کی روشنیاں گُل ہو گئیں۔ فریدی کو پہلے ہی سے اس کی توقع تھی اس لیے اس نے صدر دروازے پر کُچھ آدمی چھوڑ دیے تھے۔ روشنی گُل ہوتے ہی وہ ہوشیار ہو گئے۔ فریدی آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں بجلی پیدا کرنے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں دو آدمی گھبرائی ہوئی سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

"لیکن اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اِس سے ہمارے آدمیوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ لیکن خود کو بھی بچانا ضروری ہے۔" ایک بولا۔

"مگر وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"اُدھر سے جاؤ۔۔۔ بغل والے کمرے کی کھڑکی سے دوسری طرف کُود جاؤ۔

اس کھڑکی کی دو سلاخیں نکلی ہوئی ہیں، تُم آسانی سے گزر جاؤ گے کمرے میں اِدھر ہی وہ گیس رکھی ہے۔ بس ڈھکّن کھول کر چلے جاؤ۔ تم نے یہ بڑی عقلمندی کی کہ وہ گیس ماسک لیتے آئے۔۔۔ اچھا جاؤ گیس ماسک نکالو۔ میں بھی لگائے لیتا ہوں جلدی کرو جلدی جاؤ۔"

فریدی کے لیے یہ بہت ہی خطرناک لمحہ تھا۔ اسے فوراً ہی کُچھ کرنا تھا۔ اگر وہ گیس جسے وہ منتشر کرنے جارہا تھا کوئی تباہ کن گیس ہوئی تو کیا ہو گا۔ جیسے ہی دوسرا آدمی الگ ہٹا، فریدی کے پستول سے شُعلہ نکلا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی دوسرے آدمی پر تھا جو اپنے ساتھی کو ِگرتے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد فریدی نے اُسے قابو کر لیا۔ فریدی نے اس کی کنپٹیوں پر اتنے گھونسے مارے کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ مشینوں والے کمرے میں آیا جیب سے ٹارچ نکال کر روشنی کی۔ مشین بدستور چل رہی تھی۔ کسی نے مین سوئچ آف کر دیا تھا جس کی وجہ سے پوری عمارت کی روشنی گُل ہو گئی تھی۔ فریدی نے سوئچ آن کر دیا۔ عمارت پھر

جگمگانے لگی۔ عمارت کے مختلف حصّوں سے گولی چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ فریدی نے برآمدے میں آکر بے ہوش آدمی کو دیکھا۔ یہ ڈاکٹر وحید تھا اور وہ شخص جو اس کے ریوالور سے زخمی ہو کر گرا تھا، اس کا ساتھی ڈاکٹر آصف تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹروں کے آدمیوں نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اُدھر حمید والی پارٹی نے فیکٹری پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہاں بھی کُچھ آدمی تھے جنہیں گرفتار کر لیا گیا۔

ایک فاحشہ

دوسرے دِن شام کو انسپکٹر فریدی، سارجنٹ حمید اور کوتوالی انچارج جگدیش آرلکچنو میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہاں یہ تو بتایئے۔" جگدیش نے فریدی سے کہا۔ "کرنل سعید کی بیوی کا کیا قصّہ ہے۔"

"بہت معمولی۔۔۔ کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں۔ ایسی حالت میں عموماً جوان

عورتیں جو کُچھ کرتیں ہیں وہی اُس نے بھی کیا۔ کرنل سعید ڈاکٹر وحید کے زیرِ علاج تھا۔ اِس دوران میں اُن دونوں میں کافی بے تکلّفی بڑھ گئی۔ ڈاکٹر وحید کرنل سعید کے یہاں آنے جانے لگا۔ ڈاکٹر وحید جوان اور خوبصورت تھا کرنل سعید بُوڑھا کھوسٹ۔ اُس کی بیوی اور ڈاکٹر وحید میں ناجائز تعلّق ہو گیا۔ کرنل سعید اُس سے ناواقف تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے احمق بنا رکھا تھا۔ وہ روز بروز اُسے ایسی دوائیں دیتا رہا جس سے اُس کی جنسیت قریب قریب بالکل مُردہ ہو گئی۔ اب اُسے دوبارہ جوان بننے کا خبط ہو گیا۔ اِس کا علم ڈاکٹر وحید کو بھی ہو گیا، وہ اُسی رات کو جھریالی سے کرنل سعید کے یہاں آیا۔۔۔ شامت اعمال کہ کرنل کی لڑکی نے انہیں دادِ عیش دیتے دیکھ لیا۔۔۔ یہ چیز اُن دونوں کے لیے بڑی خطرناک تھی۔ ڈاکٹر وحید نے لڑکی کو پکڑا اور پھر اُس نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔ کرنل سعید کی بیوی اِس پر گھبرا گئی، بڑی دیر تک دونوں سوچتے رہے کہ کیا کِیا جائے۔ دفعتہً کرنل کی بیوی کو ایک تدبیر سوجھی، اُس نے مردہ لڑکی کو ہیروں والا ہار پہنا کر ایک بورے میں بند کر دیا۔ ڈاکٹر وحید واپسی میں اِس بورے کو کار میں رکھ کر

اپنے ساتھ جھریالی لے گیا اور اس بورے کو جھیل میں پھینک کر مطمئن ہو گیا۔ دوسرے دِن کرنل کی بیوی نے مشہور کر دیا کہ لڑکی ہیروں کے ہار سمیت غائب ہو گئی تا کہ وہ لوگ یہ سمجھیں کہ کسی نے ہار کے لالچ میں اسے کہیں مار کر ڈال دیا ہو گا۔"

"تو اُس نے اِن سب باتوں کا اقرار کیا ہے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ جیسے ہی میں نے جیب سے وہ ہار نکال کر اُسے دکھایا، وہ غش کھا کر گر پڑی اور پھر ہوش میں آنے کے بعد اس نے اقبالِ جرم کر لیا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل سعید کو کیا ہو گیا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شیروں والا معمّہ بھی ابھی تک حل نہیں ہوا۔ وہ عمارت تو بالکل خالی تھی جس کے متعلّق آپ لوگوں نے کہا تھا کہ وہاں وحشی درندے ہیں۔"

"بہر حال یہ تو تُم نے دیکھ ہی لیا کہ شراب کشید کرنے کا کارخانہ اس عمارت میں نکلا۔ تم لوگوں کے چلے آنے کے بعد میں نے شیروں کی گرج کا راز بھی دریافت

کر لیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی وحشی درندہ نہیں تھا۔ اس کا اندازہ میں نے اُسی وقت لگا لیا تھا۔ جب میں نے ان کے یہاں بکرے کو چیتے کے بھیس میں دیکھا تھا اور اس کا راز ظاہر ہوتے ہی ڈاکٹر آصف بوکھلا گیا تھا اور وحید جو اس سے زیادہ چالاک ہے اس کی بھونڈی سی وجہ بتا کر صاف ٹال گیا تھا، وہ دراصل اس قسم کی حرکتوں سے پبلک پر رُعب ڈالا کرتے تھے کیونکہ اس عمارت میں انہوں نے شراب کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ وہ اس عمارت کی طرف کسی کو نہ جانے دیں۔ لٰہذا انہوں نے وہاں سے لوگوں کو شیروں کی گرج سُنانی شروع کی اور یہ کہنے لگے کہ ابھی اُدھر جانا خطرناک ہے کیونکہ وہاں کٹہروں کا انتظام نہیں ہے۔"

"لیکن یہ گرج تو سچ مچ شیروں کی گرج معلوم ہوتی تھی۔" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن وہ شیر اُس وقت کہاں مر گئے تھے جب گولیاں چل رہی تھیں۔ اس ہنگامے میں تو انہیں ضرور دھاڑنا چاہیے تھا۔ لیکن اگر ڈاکٹروں کو ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو یقین جانو شیر ضرور گرجتے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ جگدیش نے کہا۔

”ارے بھئی وہ شیروں کی گرج کا ریکارڈ تھا، جو مائیکروفون کے ذریعہ اتنا ہولناک ہو جاتا تھا۔ انہوں نے دوسری عمارت میں کئی ہارن فٹ کر رکھے تھے۔“

”کمال کر دیا۔“ جگدیش بولا۔

”مگر یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں ایک بار اور بھی ایسے ہی ایک واقعے سے دو چار ہو چکا ہوں۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”نوّاب رشید الزّماں کے گھر والا واقعہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔“

”ہاں ہاں۔۔۔وہاں بھی تو دیواروں سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آتی تھیں۔“

”جنگلی جانوروں کی۔“ جگدیش نے کہا۔

”ہاں۔۔۔وہاں دیوروں کے اندر لاؤڈ اسپیکر کے ہارن لگے ہوئے تھے اور جنگلی جانوروں کی آوازوں کا ریکارڈ ایک تہہ خانے سے بجایا جاتا تھا، بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے آوازیں دیوار سے نکل رہی ہوں۔“

"کمال ہی ہے بھئی۔" جگدیش نے کہا۔

"لیکن آپ کو کرنل کی بیوی پر شُبہ کیسے ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"پہلے تو ڈاکٹر وحید کے متعلّق اُس کی غَلَط بیانی پر۔۔۔ پھر میرے ایک مُخبر نے مُجھے اِس کی اطلاع دی کہ کرنل سعید کے غائب ہو جانے کے بعد وحید اُسے ایک رات جھریالی لے گیا تھا۔"

تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جگدیش اُٹھ کر چلا گیا۔

"اب کرنل سعید کا کیا ہو گا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے اُسے سب کُچھ بتا دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اپنی لڑکی کی موت سے بہت دِل شکستہ ہو گیا ہے۔ اور اتنی بڑی بدنامی کے بعد وہ نہیں چاہتا کہ اب اس شہر میں کسی کو اپنا مُنہ دِکھائے۔ اُس نے مُجھ سے استدعا کی ہے کہ میں اِس کے بارے میں کسی کو کُچھ نہ بتاؤں۔ وہ یہاں سے کہیں اور جانا چاہتا ہے جہاں اُس کا کوئی شناسا نہ ہو۔ میں آج ہی رات کو اُسے شہر سے نکال دوں گا۔ اور اس کا راز ہم

دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو نہ معلوم ہونے پائے گا۔ مُجھے اُمّید ہے کہ تُم بھی میرے وعدے کا احترام کرو گے۔" فریدی نے کہا اور بیرے کو بل کے پیسے دے کر کھڑا ہو گیا۔

ختم شُد